ISSN 1998-6483

فقہ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے طلبا و اہل علم کا ترجمان

علمی و تحقیقی مجلہ

مسلسل خدمت کے 19 سال

اکتوبر 2019ء

فقہ اسلامی

مدیر اعلیٰ و مؤسس

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

پوسٹ بکس نمبر 17777 گلشن اقبال، کراچی

Scanned with CamScanner

علمی و تحقیقی مجلّہ

فقہِ اسلامی

کراچی

مدیرِ اعلیٰ و مؤسس

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

مدیرِ مُساعد: ڈاکٹر محمد صحبت خان کوہاٹی
پروفیسر محبوب الحسن بخاری

مدیرِ مسؤل: حافظ محمد عبدالرحمٰن ثانی

صفر المظفر / ربیع الاوّل ۱۴۴۱ھ اکتوبر ۲۰۱۹ء

جلد 20 شمارہ 10

فقہ المعاملات پر اپنی نوعیت کا منفرد مجلّہ

فہرست

اداریہ	2
غیر مسلم ممالک میں سودی لین دین سے متعلق فقہائے پاک و ہند کی آراء کا جائزہ	6
شریعت مطہرہ اور پاکستان میں اسقاطِ حمل کا قانون	20
میانوی خاندانِ مفتیاں کی علمی و ادبی اور دینی و علمی خدمات کا تحقیقی جائزہ	31
دینی مدارس کی مرکزی تعلیمی دھارے میں شمولیت تجزیہ و تجاویز	46
حضرت امام شافعی کا ایک اور دورِ ابتلاء	50
مدارسِ دینیہ اور مسندِ تدریس کے تقاضے	62
''گلیوں'' سے متعلق معاملات اور مسائل	66
ضرورت و اہمیتِ حفظِ قرآن کریم	73
جدید جامعات اور اسلامی اقدار	89

مجلس ادارت

مدیران

- علامہ غلام نصیر الدین نصیر
- علامہ محمد اسحاق ظفر
- علامہ سید محمد عارف شاہ اویسی
- قاری محمد اجمل منصور

معاونین و نمائندگان

قاری محمد اسلم سیالوی	یوکے
قاری محمد راسب	یوکے
حافظ محمد عمران......	کراچی
مولانا خان محمد قادری	راولپنڈی
مولانا طاہر عزیز باروی	اوسلو

ممبر شپ فیس

فی شمارہ: 25 روپے 300 روپے سالانہ

کوریئر منی آرڈر: حافظ محمد عبدالرحمٰن ثانی
P-98 خطیب ہاؤس
پنجاب ٹاؤن، ملیر ہالٹ کراچی

فون: 0312-2090-807
موبائل: 0333-2376-985

ای میل Shahtaz.na@gmail.com, www.facebook.com/fiqheislami

Postal (R) No.
SC (MC) - 1148

نوٹ: مجلس ادارت کا مقالہ نگاروں کے موقف سے اتفاق ضروری نہیں

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین......

اداریہ

نئے اساتذہ مدارس دینیہ /مدرسین کرام کی توجہ کے لئے

اگر آپ کی تقرری کسی بھی جامعہ (مدرسہ دینیہ) میں تدریس کے حوالے سے ہو چکی ہے تو سب سے پہلے تو میں آپ تمام حضرات کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت نے اس منصب جلیل کے لئے آپ کو منتخب کیا، آپ میں کچھ نئے اور کچھ پرانے بھی ہیں، لیکن آپ سب میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ آپ نوجوان اساتذہ کہلاتے ہیں۔آپ کے پاس یہ وہ قیمتی لمحات ہیں جس میں آپ جو کچھ چاہیں تو صحت وتندرستی کی فراوانی ،عزم وہمت کے حوالے سے بظاہر آپ کو کوئی مشکلات پیش نہیں آئیں گی، گویا آپ کے پاس ایک کامیاب مدرس بننے کے لیے یہ دور نہایت اہمیت کا حامل ہے۔آپ کوشش کریں کہ اپنی زیر تدریس کتابوں میں زیادہ سے زیادہ محنت کر کے تدریس کے میدان میں اپنا ایک لوہا منوا سکیں۔حق تعالیٰ ہمیں بہتر توفیق عطا فرمائے۔

غور کیا جائے تو دین کے تمام تر شعبے خدمات دینیہ ہی کہلاتے ہیں، تاہم اس وقت سب سے مہتمم بالشان کام دینی مدارس کے ماحول میں عملاً ہو رہا ہے۔ہم اور آپ تدریس کے جس ماحول سے وابستہ ہیں، اس میں غور کریں تو گویا یہ تمام دینی شعبوں کو رجال کار کی فراہمی کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔کیونکہ امت کو مبلغین، مدرسین، مجاہدین، ائمہ وخطباء، اور عصر حاضر کے حوالے سے سیاسی میدان میں کام کرنے والے اور امت مسلمہ کی ترجمانی کرنے والے افراد کی فراہمی بھی اسی مدرسے کے ماحول سے وابستہ ہے۔ساتھ ہی جدید علوم اور نئے میدانوں میں بھی اس وقت دینی مدارس کی ایک جماعت رہنمائی کر رہی ہے۔تعلیم وتعلم کے ساتھ ہماری یہ نسبت اور تعلق گویا ہر لحاظ سے ہمارے لیے سعادت وخوش بختی کی بات ہے، جس پر ہمیں شکر بجالانا چاہیے۔

دینی مدارس کے ماحول میں قوم کے بچے ہمارے پاس قوم کی جانب سے ایک ایسی امانت ہیں جس کی تعلیم وتربیت اور بہتر نگہداشت ہماری مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔آج دن بدن الحمداللہ دینی مدارس کے ماحول پر معاشرہ پہلے سے بڑھ کر اعتماد کر رہا ہے۔آئے روز جتنا مدارس کے خلاف

پروپیگنڈہ بڑھتا جارہا ہے اتنا ہی قوم کے بچے مدارس کی طرف رخ کررہے ہیں اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم انہیں اپنے ماحول میں ایسی تربیت دیں کہ جس سے وہ بجا طور پر ہمارے نمائندے بن کر معاشرے کی طرف جائیں۔

مدارس عربیہ میں تقسیم کتب:

موضوع کی طرف آنے سے قبل میں عرض کروں گا کہ دینی مدارس کے ماحول میں ہماری بحیثیت مدرس تقرری ہونے کے بعد ضروری نہیں کہ ہمیں تدریس کے لیے ہماری مرضی کے مطابق کتب حوالہ کی جائیں۔ انتظامی لحاظ سے یہ ایک مشکل کام ہے کہ تمام کو ان کی مرضی اور چاہت کے مطابق کتابیں حوالہ ہوں۔ تاہم رئیس جامعہ کی جانب سے جو کتابیں بھی آپ کے زیر تدریس آئیں تو اسے بدل وجان قبول کرلیں۔ بعض مواقع پر شاید ایک مدرس ایک کتاب کا تقاضا کررہا ہوتا ہے، لیکن اپنی طلب سے ملنے والی کتاب میں شاید اتنی برکت نہیں رہتی جتنی بغیر مطالبہ کے ایک کتاب مل جانے میں ہوتی ہے۔ اس قسم کی تقسیم کے نتائج واثرات خود مدرس، طلبہ اور ادارے کے حق میں بہت بہتر اور مثبت ہوں گے۔

طریقہ تدریس:

اولین فرصت میں ہمیں ایک کتاب پڑھاتے وقت اس کی مقدار خواندگی کا نظم بنانا چاہیے۔ بعض جامعات میں شعبہ تعلیمات کی جانب سے باقاعدہ ہر کتاب کی مقدار خواندگی مقرر ہے، جب ہم اس کی رعایت رکھیں گے، تو اس سے ہمیں یہ بھی آسانی ہوگی کہ ہم اپنے مباحث کو کس حد تک طول دے سکتے ہیں، اور کہاں ان کو مختصر کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے مرحلہ میں ہم یہ یقین کرلیں کہ ہمارے سبق کی تیاری میں بنیاد ہماری کتاب ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ان کی اردو اور دیگر زبانوں کی شروحات کی بجائے اولین فرصت میں کتاب کا متن پڑھنا چاہیے۔ پھر بین السطور نکات کو بنظر غائر دیکھیں، جس میں کبھی جملہ کی ترکیب اور کہیں دوسری وضاحتیں، ربط وغیرہ ملنے سے بھی آسانی رہتی ہے۔ اس کے بعد تیسرے درجہ میں جا کر ہمیں حاشیہ خوب توجہ سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔

میرے خیال کے مطابق یہ سبق کی تیاری کے وہ مراحل ہیں جس سے نہ صرف گویا ہم یومیہ سبق

پڑھانے میں کامیاب ہوسکیں گے بلکہ ہماری علمی استعداد بڑھانے کا یہ ایک مکمل ضامن ہے۔شروحات کے مقابلہ میں اگر ہم حواشی کو ترجیح دیں تو یہ ہرلحاظ سے ہماری علمی ترقی کا باعث ہے۔یہ وہ قیمتی خلاصے ہوا کرتے ہیں جو کہنہ مشق مدرسین نے ترتیب دیے ہوتے ہیں۔

کسی لمبی کتاب کی طویل عبارات سے کارآمد جملوں کا انتخاب کرنا کئی نئی شروحات لکھنے سے زیادہ باعث مشقت کام ہے، تو حواشی دیکھنے کے بعد ضرورت پڑنے پر اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہم شروحات کو بھی کھنگال لیں۔تاہم اس میں عربی شروحات کو اردو شروحات پر ترجیح دیں۔

فن سے متعلقہ دوسری کتابوں کا مطالعہ:

تیسرے مرحلے میں جاکر میں آپ سے یہ عرض کروں کہ کسی بھی کتاب کو پڑھانے کے دوران اس فن کی اعلیٰ کتابوں سے بھی استفادہ کرنا چاہیے۔مثلاً اگر آپ نحو میر پڑھا رہے ہیں تو اس میں اس سے آگے کی کتابوں مثلا ہدایۃ النحو، کافیہ اور شرح جامی کے مسائل کو بھی پڑھ لینا چاہیے، تاہم پڑھاتے وقت ضروری نہیں کہ آپ ان تمام مباحث کو طلبہ کے سامنے رکھیں بلکہ اس میں مناسب انتخاب ''الاھم فالاھم'' کی تقدیم اور مختصر عبارات کو پیش کرنا آپ کے ذوق کی ترجمانی کرے گا۔کیونکہ استیعاب بالفاظ دیگر علمی بدہضمی کا نام ہے۔ہوسکے تو ہمیں چیدہ چیدہ نکات کہیں مختصر پرچی پر یا کاپی میں لکھنے چاہیے اور اس میں ہر سال کے حوالے سے اضافہ ہماری علمی استعداد بڑھانے میں مدد ومعاون ثابت ہوگا۔

دوران تدریس خود اعتمادی کی فضا:

چوتھے مرحلے میں جاکر ہمیں اپنا سبق پڑھانے میں مکمل خود اعتمادی کا مظاہرہ کرنا چاہیے تاکہ طلبہ کے اعتماد کو نقصان نہ پہنچ سکے۔اسی ضمن میں ایک واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مظاہر العلوم میں ایک موقع پر میں نے حضرت مہتمم صاحب سے ابتدائی سالوں میں مقامات پڑھانے کا تقاضا کیا۔حضرت نے انتہائی شفقت کے ساتھ محبت آمیز لہجے میں فرمایا کہ آپ نئے فاضل ہیں کوشش کریں کہ رفتہ رفتہ کتابیں پڑھانے کا موقع ہاتھ آئے۔میں نے بھی ماننے میں عافیت سمجھی لیکن جب اسباق تقسیم ہوئے تو سبعہ معلقات پڑھانے کے لیے کوئی تیار نہیں ہو رہا تھا۔تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور دوسرے اساتذہ نے میرے نام کی

تجویز دی، مجھے جس وقت وہ کتاب ملی تو میں مکمل تیاری کے ساتھ درس گاہ جایا کرتا تھا۔ میں تیاری کے مراحل میں پورے اشعار کو حفظ کرتا تھا' بعدازاں ان کے لغوی وصرفی تحقیق کرتا تھا۔ پڑھانے کے دوران باقاعدہ ان تمام کتابوں کے حوالے بھی دیا کرتا تھا' جس کے باعث چند ہی دنوں میں طلبہ کا ایک جم غفیر آیا۔ حتی کہ مدرسے کے کتب خانے میں کتابوں کے نسخے بھی ختم ہوئے۔ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پڑھاتے وقت خود اعتمادی سے ہم سب کچھ کرسکتے ہیں۔

آخر میں بات سمیٹتے ہوئے میں آپ سے عرض کروں کہ ہمیں پڑھانے کے دوران اس بات کا حریص ہونا چاہیے کہ ہم طلبہ کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچانے کا عزم کریں۔ جس سے نہ صرف یہ کہ ہم طلبہ کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کرسکیں گے بلکہ عنداللہ بھی اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوسکیں گے۔ (الراقم مولانا حسین احمد، ۔ ماخوذ از العصر المعاصر بتصرف یسیر)

آبادی کے لحاظ سے دنیا کے سب سے بڑے مذہب
کا مطالعہ کیجیے

عیسائیت، حقائق وواقعات

از رضی الدین سید

سینٹ پال کون تھا؟ صلیب کی کہانی بائیبل میں توحید
بائیبل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل بائیبل کا تجزیاتی مطالعہ سنڈے کی کہانی
کرسمس کیوں کیسے؟ عشائے ربانی تاریخ کلیسا
کیتھولک اور پروٹسنٹ انجیل برناباس تثلیث کیا ہے؟
گرجاؤں کے اختیارات کیا حضرت عیسی کو واقعی پھانسی ہوئی تھی
قرآن حضرت عیسی کے بارے میں کیا کہتا ہے کیا انسان پیدائشی گناہ گار ہے؟
باپ بیٹے اور روح القدس کی وضاحت چرچ آف انگلینڈ

ناشر: اسلامک ریسرچ اکیڈمی ڈی ۳۵، بلاک ۵، فیڈرل بی ایریا کراچی
irak.pk@gmail.com www.irak.pk

غیر مسلم ممالک میں سودی لین دین سے متعلق فقہائے پاک وہند کی آراء کا جائزہ

(قسطِ دوم)

پروفیسر ڈاکٹر حافظ غلام یوسف

عدم جواز کے قائلین فقہائے پاک وہند کی تحقیقات

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا نذیر حسین دہلویؒ اور ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ کی تحقیقات اور فتاوی پیش خدمت ہیں:

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ:

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ [1] نے غیر اسلامی ملک میں کافروں سے سود لینے کے عدم جواز کا فتوی انتہائی اختصار کے ساتھ دیا، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں: کفار سے بھی سود لینا درست نہیں، فقط واللہ اعلم۔ [2]

مولانا اشرف علی تھانویؒ:

مولانا اشرف علی تھانویؒ [3] کی تحقیق یہ ہے کہ غیر اسلامی ملک میں حربیوں سے سودی معاملات کی اجازت نہیں ہے، سود لینا دینا خواہ دار الاسلام میں ہو خواہ غیر مسلم ملک میں ہو دونوں صورتوں میں حرام اور ممنوع ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی یہ تحقیق رسالہ رافع الضنک عن منافع البنک کے عنوان سے موجود ہے۔ جس میں آپ نے صراحت کی ''یہ رسالہ بنک وغیرہ سے سود لینے کے مسئلہ میں میری آخری تحقیق ہے، اگر میری کوئی تحریر اس کے خلاف دیکھی جاوے وہ سب اس سے منسوخ یعنی مرجوع عنہ ہے''۔ [4]

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحقیق کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

''مسئلہ ربوا بین المسلم والحربی مختلف فیہ ہے۔ امام صاحبؒ اور امام محمدؒ چند قیود کے ساتھ جواز کی طرف

گئے ہیں اور ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہؒ عدم جواز کی طرف...... قائلین بالجواز کے نزدیک چند قیود ہیں:

۱۔ وہ محل دار الحرب ہو۔

۲۔ معاملہ ربوکا حربی سے ہو۔

۳۔ مسلم اصلی سے نہ ہو اور نہ ذمی سے ہو۔

۴۔ مسلم اصلی وہ ہے جو دار الحرب میں آنے کے قبل اسلام لایا ہو خود یا تبعاللِ آباء۔

۵۔ معاملہ کرنے والا وہ مسلم ہو جو دار الاسلام سے دار الحرب میں امن لے کر آیا ہو۔

۶۔ یا وہ مسلم ہو جو غیر اسلامی ملک ہی میں اسلام لایا ہو وہ مسلم اصلی نہ ہو جو خود دار الحرب میں رہتا ہو......''

''جب جانبین کے دلائل پر نظر کی گئی تو امام ابو یوسفؒ کے دلائل قوی ہیں۔ ان میں سے صرف ایک دلیل ذکر کرتا ہوں آیات تحریم ربو میں ارشاد ہے:

{یاآیہا الذین امنوا اتقواللہ و ذروا مابقی من الربوا ان کنتم مؤمنین} (البقرۃ:۲۷۸)

اور ظاہر ہے کہ اس بقیہ ربو کا معاملہ جس وقت ہوا ہے لینے والے سب حربی تھے تو تحریم کے بعد اگر حربی سے ایسا معاملہ جائز ہوتا تو تحریر کے قبل تو بدرجہ اولی جائز ہوتا اور وہ رقم حلال ہوتی تو اس کا ترک کرنا کیوں فرض ہوتا اور یہ نص قطعی ہے۔

طرفین یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یا خبر واحد ہے یا قیاس جو کہ ظنی ہیں اور قطعی کی تقدیم کا وجوب ظنی پر اجماعی ہے اور دلالۃ یہ احتمال بھی ہے یہ نفی نہی کے لیے ہو جیسا کہ قرآن مجید {فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج} (البقرۃ:۱۹۷)

میں بعینہ یہی معنی ہیں، چونکہ حربی کے مال غیر معصوم ہونے سے شبہ اس کے جواز کا ہو سکتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جواز کی نفی فرمادی ہو۔۵ ''

مولانا نذیر حسین دہلویؒ:

مولانا نذیر حسین دہلویؒ۶ نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ سود لینا اور دینا خواہ دار الاسلام میں ہو خواہ غیر مسلم ملک میں بہرصورت حرام اور ممنوع ہے۔ مولانا نذیر حسین دہلویؒ کا یہ بھی کہنا ہے کہ: جہاں تک احناف کی طرف سے پیش کی جانے والی حدیث لاربوا بین المسلم

والحربی فی دارالحرب کا تعلق ہے تو واضح رہے یہ حدیث شتر بے مہار کی طرح ہے نہ اس کی سند متصل ہے اور نہ ہی متن متفق ہے کیونکہ کہیں لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب ہے تو کہیں لاربا بین اھل الحرب واھل الاسلام۔

مولانا نذیر حسین دہلویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ: یہ حدیث متقدمین اور متاخرین محدثین میں سے کسی کے نزدیک بھی ثابت نہیں ہے۔جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ میں صراحت کی ہے' کہ اس حدیث کو میں نے نہیں دیکھا۔اہم اور غور طلب بات یہ ہے کہ امام ابویوسفؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کیا اگر ان کے نزدیک قابل اعتماد ہوتی تو ان کا خود اس پر عمل ہوتا۔امام ابویوسفؒ کا فتوی اور عمل بھی شاہد ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

مولانا نذیر حسین دہلویؒ لکھتے ہیں:

''دوسرا امر یہ کہ دارالحرب میں سود لینا حرام ہے یا حلال سو اب اس مسئلہ کی تحقیق کما حقہ بیان کی جاتی ہے۔پس سنو! فی الواقع متن حنفی میں مذکور ہے کہ سود لینا دارالحرب میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔بدلیل اس حدیث کے لاربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب لیکن یہ حدیث مانند شتر بے مہار کے ہے۔کیونکہ یہ حدیث نزدیک محدثین متقدمین ومتاخرین کے ثابت نہیں ہوئی۔اسی واسطے حافظ ابن حجر عسقلانی' صاحب فتح الباری نے درایہ فی تخریج احادیث الھدایہ میں کہا ہے کہ حدیث:

لاربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب 'لم اجده لکن ذکره الشافعی ومن طریقه البیهقی قال قال ابویوسف انما قال ابو حنیفة هذا لان بعض المشیخة حدثنا عن مکحول عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لاربوا بین اهل الحرب' اظنه قال واهل الاسلام انتهی' مافی درایة۔

اس مقام پر بہت غور کرنا چاہیے کہ امام ابویوسفؒ نے اس حدیث کو نقل کر دیا اور آپ اس پر عمل نہ کیا۔کیونکہ ان کے نزدیک قابل اعتماد نہ ہوئی اور فی الواقع یہ حدیث مثل شتر بے مہار کے ہے۔اس لیے کہ نہ سند متصل درمیان راوی مروی عنہ کے درجہ بدرجہ باسامی رواۃ پائی جاتی ہے اور نہ متن متین کہ لاربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب' متن صحیح ہے یا لاربوا بین اھل الحرب واھل الاسلام متن صحیح ہے؟

☆......نبینی کہ چون گربہ عاجز شود ☆☆☆ برآرد بہ چنگال چشم پلنگ......☆

ظاہر ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک خبر معلق بلا اسناد وتعدیل مبہم مقبول نہیں' جیسا کہ شرح نخبۃ الفکر و تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں مذکور ہے۔ بالجملہ ازروئے قواعد اہل حدیث وفقہ کے بمقابلہ نص قرآنی کے حدیث لاربوابین المسلم الخ قابل اعتماد واستدلال کے ہرگز نہیں ہوسکتی نزدیک علمائے اہل فطانت ودیانت کے۔ بالفرض اگر حدیث مذکور ساتھ سند صحیح کے بھی پائی جاتی ہو۔ تاہم زیادت ساتھ خبر واحد کے نص قطعی قرآن پر ہرگز جائز نہ ہوگی......

اب آگے سنو! کہ امام صاحب بواسطہ حدیث مذکور کے ربوالینا دارالحرب ملک میں جائز رکھتے ہیں' نہ کہ دارالاسلام میں اور ہندوستان شرقاوغربا موافق شروط قرارداده امام صاحب کے دارالحرب نہیں۔ پس امام صاحب کے نزدیک بھی سود لینا ہندوستان وبنگالہ میں حرام وناجائز ہوگا' کیونکہ دارالاسلام ہے تو اس صورت میں نزدیک تمام اہل حدیث وفقہ...... جاننا چاہئے کہ سود کا لینا دینا خواہ دارالاسلام میں ہو خواہ دارالحرب ملک میں حرام اور ممنوع ہے' نزدیک امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ امام ابو یوسفؒ اور جمہور علماء رحمہم اللہ تعالی کے' کیونکہ قرآن' حدیث اور اجماع صحابہؓ سے حرمت ربو ثابت ہے قطعاً' مگر امام ابو یوسفؒ ومحمدؒ فرماتے ہیں کہ دارالحرب میں کافر حربی سے سود لینا درست ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔'' ۷ے

ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ:

ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ ۸ے بھی دارالحرب / غیر مسلم ملک میں کفار سے سودی لین دین کے عدم جواز کے قائل ہیں' انہوں نے اپنے فتوی میں کوئی نئی بات نہیں کہی' فتاوی نذیریہ میں موجود مولانا نذیر حسینؒ دہلوی کا تفصیلی فتوی نقل کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ ۹ے

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع

مفتی محمد شفیعؒ صاحب ۱۰ے کی تحقیق یہ ہے کہ غیر مسلم ملک میں مقیم غیر مسلموں سے سود لینا جمہور فقہاء کے نزدیک حرام ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ صاحب کا کہنا ہے کہ: بعض فقہاء سود لینے کے جواز کے قائل ہیں لیکن سود دینا کسی بھی حال میں جائز نہیں اور اگر سود لے کر صدقہ کرنے کا ارادہ ہو تو بھی درست نہیں کیونکہ صدقہ کرنے کی نیت سے' جس طرح چوری کرنا ڈاکہ ڈالنا جائز نہیں اسی طرح سود لینا بھی جائز نہیں۔

مفتی صاحب نے اگرچہ غیر مسلم ملک میں حربیوں سے سود لینے کے جواز وعدم جواز کے بارے میں ائمہ

مجتہدین کے دونوں اقوال ذکر کر دیے ہیں۔لیکن انہوں نے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی صراحت کر دی ہے کہ قرآن وسنت میں جس قدر سود کی حرمت سے متعلق وعیدیں آئی ہیں وہ ہر اعتبار سے قطعی ہیں انہیں دیکھ کر کوئی مسلمان جرات بھی نہیں کرسکتا کہ جس معاملہ میں سود کا احتمال ہو اس کے پاس جائے۔ان نصوص قطعیہ کو سامنے رکھتے ہوئے سود کے شبہہ سے بھی بچنا چاہئے۔

مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

''دارالحرب کے کفار سے سود لینا بھی جمہور ائمہ وعلماء کے نزدیک حرام ہے۔امام مالکؒ وامام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل اور ائمہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ اسی حرمت کے قائل ہیں۔البتہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ سے دارالحرب میں اس کا جواز منقول ہے اور طحاویؒ نے مشکل الآثار میں سفیان ثوریؒ اور ابراہیم نخعیؒ کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے۔پھر بھی بعض مشائخ نے یہ شرط لگائی ہے کہ سود لینا جائز ہے دینا جائز نہیں......''۔

پھر امام صاحب کے قول کا بھی بہت سے علماء محققین نے ایسا مطلب بیان کیا جو جمہور کے خلاف نہیں رہتا۔نیز ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔نیز سود کے متعلق قرآن وحدیث میں جس قدر وعیدیں آئی ہیں جو ہر اعتبار سے قطعی ہیں ان کو دیکھ کر بھی کوئی مسلمان اس کی جرات نہیں کرتا۔جس معاملہ میں سود کا احتمال بھی ہو اس کے پاس جائے کیونکہ حدیث میں ہے کہ سود کے معاملہ میں بہت قسم کے گناہ آدمی کو ہوتے ہیں جس میں ادنی گناہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے۔نیز حدیث میں ہے کہ سود سے جو آدمی درہم حاصل کرے وہ چھتیس زنا سے بھی بدتر ہے۔

اس لیے صحابہ وتابعین اور ائمہ اسلام نے اس بارہ میں ہمیشہ احتیاط کی جانب کو اختیار کیا ہے۔خود حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں: سود کو بھی چھوڑ دو اور اس کے شبہ کو بھی نیز شعبیؒ حضرت فاروق اعظم سے روایت فرماتے ہیں: کہ ایک چیز کے نو حصے حلال ہوں مگر دسویں میں سود کا شبہ ہو، تو ہم ان نو حلال حصوں کو بھی سود کے خوف سے چھوڑ دیتے ہیں۔

لہذا کفار کے بینکوں سے سود لینے کے متعلق بھی علمائے محققین کا فتوی بنظر احتیاط اسی پر ہے کہ جائز نہیں ہے۔اب رہا یہ امر کہ کوئی شخص روپیہ محض بغرض حفاظت بنک میں جمع کرے سود لینے کا ارادہ نہیں تو یہ

بھی گناہ ہے اس واسطے کہ اس میں اعانت ہے سود خواروں کی اور کفار کی اور ان کی اعانت بالقصد حرام ہے۔ حدیث میں اس شخص پر لعنت آئی ہے جو سود خوار کی اعانت معاملہ سود میں کرے۔

اگر سود لے کر صدقہ کرنے کا ارادہ ہو تو بھی درست نہیں کیونکہ صدقہ کرنے کی نیت سے جس طرح چوری کرنا ڈاکہ ڈالنا جائز نہیں اسی طرح سود لینا بھی جائز نہیں۔ البتہ اگر کسی غلطی سے سود لے لیا یا روپیہ بینک میں جمع کر دیا اور اس کا سود بینک میں جمع ہو گیا تو اب اس کو بینک میں چھوڑنا نہ چاہیے...... بلکہ لے کر اس کا صدقہ کر دینا واجب ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ میں اس خبیث آمدنی سے بری ہو جاؤں۔ اس نیت سے اس کو صدقہ کا نہ سہی مگر ایک گناہ سے باز آنے کا ثواب بھی مل جائے گا۔۱۱

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ:

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ ۱۲ کی بھی تحقیق یہی ہے کہ غیر مسلم ملک میں کفار سے سود لینا حرام ہے۔ اسی طرح بینک، انشورنس کمپنیوں میں ملازمت کرنا بھی حرام و ناجائز ہے۔ البتہ مفتی صاحب غیر مسلموں کی شراب کی دکانوں پر ملازمت کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔ مفتی صاحب نے یہ تو لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کا بعض علماء نے ایسا مطلب بیان کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ بھی جمہور فقہائے کرام کی طرح دار الحرب میں کفار سے سود لینے کو حرام سمجھتے ہیں۔ مگر اس توجیہ کا ذکر نہیں کیا جس کا انہوں نے حوالہ دیا۔

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

''دار الحرب ملک میں کفار سے سود لینا عند الجمہور حرام ہے، ائمہ ثلاثہ اور احناف سے امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالی حرمت کے قائل ہیں، البتہ امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ تعالی سے دار الحرب میں سود لینے کا جواز منقول ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کے قول کا بھی بعض علماء نے ایسا مطلب بیان کیا ہے کہ جمہور کے خلاف نہیں رہتا، یعنی امام رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک بھی حرمت ہی ہے۔

قرآن مجید میں سود خوروں سے اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ ہے، حدیث میں بھی ربو سے متعلق اس قدر سخت وعیدیں آئی ہیں کہ انہیں دیکھ کر کوئی مسلمان شبہہ ربوا پر جرات نہیں کر سکتا۔

بینک انشورنس اور دوسرے سودی اداروں میں ملازمت ناجائز ہے، اس لیے کہ سود کفار کے لیے بھی حرام ہے۔ ایسے اداروں میں ملازمت کرنا اعانت علی المعصیۃ ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ قال اللہ

تعالی: ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان (المائدۃ: ۲)۔حرمت اجرت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اجرت حرام مال سے ہے۔شراب کا کاروبار اگر کافر کررہا ہوتو اس میں مسلمان کے لیے ملازمت کی گنجائش ہے، کیونکہ ان کے ہاں شراب حلال ہے، البتہ شراب کی خرید وفروخت اور کسی کو پینے کے لیے دینا مسلمان کے لیے حلال نہیں'' ۱۳؎

سودی لین دین کے جواز کے قائلین فقہائے کرام

غیر مسلم ممالک میں غیر مسلموں سے سودی لین دین کے جواز کے قائلین میں سے علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ مولانا ارشاد حسین رامپوریؒ مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ مفتی شاہ محمد مظہر اللہؒ مفتی کفایت اللہؒ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ مفتی محمد امجد علی اعظمیؒ مولانا مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی، بصیر پوری، صاحبزادہ اقتدار احمد خان قادری اشرفی، مفتی جلال الدین کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ:

مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ ۱۴؎ غیر مسلم ممالک میں غیر مسلموں کے ساتھ سودی لین دین کے جواز کے بارے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دارالحرب میں حربیوں سے سود لینا جائز ہے وکیل وصول کرے یا مؤکل کیونکہ نائب مثل منیب کے ہے **فی الدر المختار ولا ربا بین حربی ومسلم مستامن ولو بعقد فاسد او قمار ثمہ لان مالہ مباح فیحل برضاہ مطلقا بلا عذر۔۔۔الخ** یعنی مسلمان اور حربی کے درمیان ربو انہیں ہے اگرچہ عقد فاسد ہو یا قمار ہو کیونکہ مال حربی دارالحرب میں مباح ہے پس اس کی رضامندی سے اس کا مال ہر حال میں مطلقاً مباح ہے۔امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اس کے خلاف ہیں اور ردالمحتار میں ہے کہ صاحب فتح القدیر نے کہا ہے پوشیدہ نہیں ہے کہ اسی دلیل سے اس عقد کی صحت ظاہر ہوتی ہے، جس میں مسلم کو نفع پہنچے ربو اس سے عام ہے کیونکہ اس صورت کو بھی شامل ہے جب ایک درہم کی بیع بمعاوضہ دو درہموں کے ہو مسلم وکافر دونوں کی جانب سے۔

سیر کبیر اور اس کی شرح میں ہے، جب مسلمان غیر اسلامی ملک میں امان لیکر داخل ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ جس طریقے پر چاہے کافروں سے ان کا مال ان کی رضامندی سے وصول کرے

کیونکہ اس نے مال مباح کو حاصل کیا ہے بلا کسی عذر کے تو یہ اس کے لیے درست ہوگا...... اگر مسلمان نے ربوا کا معاملہ حربی کے ساتھ دارالاسلام میں کیا اور اپنے وکیل کو قبضہ کرنے کے لیے دارالحرب /غیر مسلم ملک میں بھیجا تو جائز نہیں ہے کیونکہ ربوا کا معاملہ دارالاسلام میں ممنوع ہے اور اگر دارالحرب میں کیا تو البتہ جائز ہوگا''

سوال: ہندوؤں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز نہیں ہے کیونکہ دارالاسلام میں سود لینا اور دینا حرام ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا} احل اللہ البیع وحرم الربوا{ اللہ تعالی نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام اور اہل ذمہ معاملات میں مثل اہل اسلام کے ہیں۔ نصاب الاحتساب میں ہے......شراب اور سود کے احکام میں اور محرموں سے نکاح کرنے اور خدا کے علاوہ دوسروں کے عبادت کرنے کے سوا اہل ذمہ کا حال ہے مسلمانوں کا ایسا ہے جس سے مسلمان روکے جائیں گے اس سے اہل ذمہ بھی روکے جائیں گے''۔ ۱۵

مولانا ارشاد حسینؒ رامپوری:

مولانا ارشاد حسینؒ ۱۶ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ دارالحرب /غیر مسلم ملک میں کافروں سے سود لینا جائز ہے اور ان کا موقف یہ ہے کہ غیر مسلم ملک میں مسلمان اور غیر مسلموں کے درمیان سودی معاملات میں جو منافع ہوتا ہے اس پر سود کا اطلاق نہیں ہوتا۔ کہ حقیقت میں وہ سود ہی نہیں ہے۔

مولانا ارشاد حسینؒ لکھتے ہیں:

''دارالحرب ملک میں کافروں سے سود لینا جائز ہے اور حقیقت میں وہ سود ہی نہیں ہے بلکہ مال کافروں کا واسطے اہل اسلام کے مباح ہے سوائے غدر کے جس طور سے لیا جاوے جائز ہے۔

فی الدر المختار ولا ربا بین حربی ومسلم مستامن ولو بعقد فاسدا وقمار ثمہ لان مالہ مباح فیحل برضاہ مطلقا بلا عذر انتھی' وفی السیر الکبیر وشرحا اذا دخل المسلم دار الحرب بامن فلا باس بان یاخذ اموالھم بطیب انفسھم بای وجہ کان لانہ انما اخذ المباح علی وجہ غیر من الغدر فیکون ذالک طیبا لہ انتھی واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم'' ۱۷

اعلی حضرت مفتی احمد رضا خان بریلویؒ:

اعلی حضرت مفتی احمد رضا خان بریلویؒ ۱۸ نے غیر مسلم ملک میں حربیوں سے سود لینے کے جواز کا فتوی

دیا۔ حدیث لاربابین المسلم والحربی فی دار الحرب اور امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی آراء سے استدلال کیا، اعلی حضرت کا طرز استدلال سب سے منفرد ہے۔

اعلی حضرت کا استدلال یہ ہے کہ یہ حدیث لاربابین المسلم والحربی فی دارالحرب کس درجہ کی ہے؟ اس میں شک نہیں کہ حدیث احاد ہے جو آیت کریمہ ''احل اللہ البیع وحرم الربوا'' کا مقابلہ نہیں کرسکتی، کیونکہ یہ آیت حرمت ربوا پر دلیل قطعی ہے اور حرمت بھی علی الاطلاق ہے۔ لہذا دلیل ظنی اس کے اطلاق کو کیسے ختم کرسکتی ہے؟ اور اس میں تقیید کیسے پیدا کرسکتی ہے؟ لیکن جب اس کی علت پر نظر جاتی ہے تو امام ابوحنیفہ کا موقف قوی معلوم ہوتا ہے اور اس مسئلے کا سود سے کوئی تعلق ہی نظر نہیں آتا۔

علت یہ کہ غیر مسلم ملک میں غیر مسلم کا مال غیر معصوم ہوتا ہے، جسے مسلمان اس کی رضامندی سے کسی بھی صورت میں لے سکتا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ تو اس صورت میں درحقیقت اپنے مال کے عوض کچھ زیادتی لینی نہ ہوئی بلکہ غیر مسلم کی رضامندی سے اس کا زائد مال کو لینا ہوا جو بالاتفاق جائز ہے۔ اگرچہ اس زیادتی کو سود کا نام ہی کیوں نہ دیا جائے سود کہا جائے، ہاں اس صورت میں لینے والا اس کو سود سمجھ کر نہ لے کہ یہ ممنوع ہے بلکہ یہ سمجھ کر لے کہ غیر مسلم سے اس کی رضامندی کے ساتھ اس کے مباح مال میں سے ایک حصہ لیا ہے۔ اعلی حضرت احمد رضا خان بریلویؒ نے اس موضوع پر مدلل و مفصل بحث کی ہے۔ جس میں بہت سے علمی نکات بیان ہوئے قارئین کے علی استفادہ کے لیے چند اہم اقتباسات پیش خدمت ہیں۔ اگرچہ طرز تحریر قدیم اور قدرے مشکل ہے کیونکہ اردو عبارات میں عربی وفارسی جملے اور تراکیب کا استعمال بکثرت موجود ہے۔

اعلی حضرت احمد رضا خان بریلویؒ لکھتے ہیں:

''سود قطعی حرام وکبیرہ عظیمہ ہے جس کا لینا کسی حال میں روا نہیں ہوسکتا مگر حقیقۃ سود لینا ہو یا سود لینے کی نیت کو ایسا قصد معصیت ہی معصیت ہے۔ اگر یہ فعل واقع میں معصیت نہ ہو جیسے شربت براہ غلط شراب سمجھ کر پینا کہ وہ حقیقۃ حلال سہی پر یہ تو اپنے نزدیک مرتکب گناہ ہوا...... لہذا علماء فرماتے ہیں:

لاربابین المولی وعبدہ لان العبد ومافی یدہ ملک لمولاہ فلایتحقق الرباء وکذا لاربابین شریکی المفاوضۃ وکذا العنان کمافی الھدایۃ والدر وغیرھما. .

درمختار میں ہے:

والاصل ان المستحق بجهةاذا وصل الى المستحق بجهةاخرى اعتبر واصلا بجهة مستحقةان وصل اليه من المستحق عليه۔

یہاں تک کہ علمائے تحصیل مال مباح جس سے پہلے سے اس کا کوئی حق مستقر نہیں بحیلہ نام طرق ممنوعہ مثل ربا وقمار وغیرہما رکھی بشرطیکہ وہ طریقہ صاحب مال کہ رضامندی سے برتا گیا ہو یعنی لوٹ غدر سے پاک وجدا ہو۔

کمانصوا عليه فی ربا المستامن ومقامرة الاسير۔فی در مختار عن السير الكبير وشرحه اذا دخل المسلم دار الحرب ملكبامان فلاباس بان ياخذ منهم اموالهم بطيب انفسهم بای وجه كان لانه انمااخذ المباح على وجه عرى عن الغدرفيكون ذالک طيباله والاسير والمستامن سواء حتى لوباعوادرهمابدرهمين اوباعهم ميتةبدراهم اواخذ مالامنهم بطريق القمار فذالک كله طيب له۔

حضرت امیر المؤمنین امام المتقین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کا کفار مکہ سے بنام شرط باجازت حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مال حاصل فرمانا' حالانکہ شرط شرعاً روا نہیں دلیل واضح ہے کہ نام ناجائز' امر جائز کو ناجائز نہیں کر دیتا......تو احیائے حق ثابت مجرد کسی اسم بے مسمی کے باعث کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے؟

زیادت ایضاح مقام یہ ہے کہ اصل حکم حقائق پر ہے نہ الفاظ پر مثلاً کوئی شخص اپنا قرض' مدیون سے واپس لے اور اس کا نام ربا رکھے تو وہ ربا یا حرام نہ ہوجائے گا۔ یا دو قسم کے قرض ہوں ایک کی قسطوں کے ساتھ دوسرے کا بھی ایک حصہ برضائے مدیون خواہ بحالت انکار بلا رضاء لے لیا کرے تو وہ بھی ہرگز ربا نہیں ہوسکتا اگرچہ بلفظ ربا تعبیر کرے' کیونکہ حقیقت ربا یعنی فضل خالی عن العوض مستحق بالعقد اس پر صادق نہیں۔ ہاں اگر یہ اپنی جہالت سے اسے حقیقت ربا سمجھے اور یہی جان کر اس کے لینے کا مرتکب ہوتو اگرچہ سود لینے کا اس پر گناہ نہیں ہے کہ جو اس نے لیا اور یہی عنداللہ نہیں مگر بقصد مخالفت شرع کسی فعل کا کرنا ضرور اس کے حق میں معصیت جداگانہ ہوگا۔ کہ یہ تو اپنے زعم میں حکم الہی کے خلاف ہی کر رہا ہے۔

لہذ اعلماء فرماتے ہیں اگر دور سے کسی کپڑے کو زن اجنبیہ سمجھ کر بہ نگاہ بد اس کی طرف نظر کرے گا' تو گنہگار ہوگا اگرچہ واقع میں وہ خالی کپڑا ہے کہ یہ تو اپنے نزدیک نافرمانی خدا پر اقدام کر رہا ہے

Scanned with CamScanner

اور جب یہ دونوں نہ ہوں تو رہا نام تو وہ بھی جب بے ضرورت وحاجت محض بطور لہوولعب وہزل ہو مکروہ ہونا چاہیے جیسے اپنی عورت کو ماں یا بہن کہنا کہ اس کے نام رکھنے سے نہ وہ حقیقۃً اس کی ماں بہن ہو جائے گی......۔

کافر حربی کا دارالحرب میں ہونا ضروری نہیں کما تشھد بہ مسائل المولی والشرکاء صرف انتفائے حقیقت وقصد ربا درکار ہے کہ اس کے بعد نہ عند اللہ ارتکاب حرام نہ اپنے زعم میں مخالفت شرع پر اقدام۔علماء نے مسئلہ حربی میں قید دارالحرب ذکر فرمائی اس کا منشاء اخراج مستامن ہے کہ اس کا مال مباح نہ رہا۔

ردالمحتار میں ہے:

قولہ ثمہ ای فی دار الحرب قید بہ لانہ لو دخل دارنابامان فباع منہ مسلم درھم بدرھمین لایجوز اتفاقا۔ھدایہ میں ہے لاربابین المسلم والحربی فی دار الحرب بخلاف المستامن منھم لان مالہ صار محظورا بعقدالامان۔فتح القدیر میں ہے اطلاق النصوص فی المال المحظورو انمایحرم علی المسلم اذا کان بطریق الغدر فاذا اخذ بغیر الطریق المشروعۃ یکون غدرا...

ان تقریروں سے خوب روشن ہو گیا کہ ماشاء اللہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے ہر گز کسی صورت ربوا کو حلال نہ ٹھہرایا یہ غیر مقلدوں کا محض افتراء ہے بلکہ ان مواقع میں کہ حکم جواز ہے وجہ یہ کہ وہ ربوا ہی نہیں اپنا حق یا کوئی مال مباح ایک ذریعہ جائز سے حاصل کرنا ہے اگرچہ بہ ضرورت ومصلحت اس شخص نے اسے کسی لفظ سے تعبیر کیا ہو لہذا علماء ان مسائل میں لاربا فرماتے ہیں نہ کہ یحل الربا والعیاذ باللہ تعالی۔

تنبیہ: اگرچہ ہمارے کلام سابق سے متبین ہوا کہ مسلم وحربی میں دارالحرب میں نفی ربا بر بنائے انتفائے عصمت ووجود اباحت ہے نہ بر بنائے انتفائے شرف دار مگر ہم اس مطلب کی مزید توضیح کرتے ہیں۔فاقول وباللہ التوفیق اگر اس سے یہ مقصود ہو کہ تحریم محرمات بوجہ شرف دار تھی دارالحرب میں کہ یہ شرف مفقود حرمت مفقود لہذا وہاں غصب وربا حلال وموجب ملک ہے تو بداہۃً باطل احکام الھیہ دار دون دار پر موقوف نہیں نہ اختلاف زمین کسی حرام شے کو حلال کر سکتا ہے۔

فان العباد للہ والبلاد للہ والملک للہ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا وقال اللہ تعالی وحیثما کنتم فولوا وجوھکم شطر المسجد الحرام وقال اللہ: فاقتلوھم

حیث ثقفتموهم ۔وقال صلی اللہ علیه تعالی علیه وسلم :جعلت لی الارض مسجداو طهورافایمارجل من امتی ادرکته الصلاة فلیصل . . .

پس ثابت ہوا کہ کوئی حرام بوجہ انتفائے شرف دار حلال نہیں ہوسکتا تو دار الحرب میں کسی شے حلت فی نفسہ اس کی حلت ہے کہ باختلاف دار مختلف نہ ہوگی۔ربا وہاں مذکورہ کا حلال ہونا وہ ہرگز اس بنا پر نہیں کہ یہ محرمات وہاں حلال ہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ ان محرمات کی حقیقت عصمت ومحظوریت پر مبنی۔اور وہ وہاں معدوم تو حقیقتًہ ان کی حقیقت ہی ان صورتوں میں منتفی اگر چہ مجرد صورت واسم باقی ہو اور حکم حقیقت پر ہے نہ اسم وصورت پر کما لا یخفی۔

اگر یہ مقصود ہو کہ امور مذکورہ اگر چہ حقیقۃً محرمات نہیں مگر دار الاسلام میں بوجہ شرف دار ان کا صرف نام وصورت ہی حرام، تاہم بالیقین باطل کہ بداہیۃً مدار احکام حقائق ہیں نہ اسم بے مسمی، ورنہ معاملہ مولی وعبد وشرکاء مفاوضہ وشرکاء عنان کہ اسم مجرد وہاں بھی موجود ہرگز جائز نہ ہوتا نہ مسئلہ ظفر بالحق میں اخذ بالجبیر واخذ خفیۃ کی اجازت ہوتی۔کہ صورت غصب وسرقہ یقیناً ہے گو حقیقت بوجہ عدم محظوری منتفی صورت سرقہ کا جواز تو عبارات سالفہ میں گذرا۔

صورت غصب کی حلت یہ ہے:

قال فی الدر و حیلۃ الجواز ان یعطی مدیونه الفقیر کانه لم یاخذها عن دینه ولو امتنع المدیون مدیدة واخذهالکونه ظفر بجنس حقه وبالجملۃ۔

یہ دونوں مقدمے کہ دار الحرب/غیر مسلم ملک حرام کو حلال نہیں کرتی اور دار الاسلام کسی اسم بے مسمی کو حرام نہیں فرماتی۔

تصریحات بے شمار سے واضح وآشکار تو ما نحن فیہ میں تفرقہ بین دار ودار کی طرف کوئی سبیل نہیں۔صورت وغصب وسرقہ ونام عقد فاسد سے فرق ناممکن کہ اگر مجرد اسم وصورت محرم ہو تو غصب وسرقہ کیوں محرم نہ ہوئے اور نہ ہو تو نام عقد فاسد کیوں حرام کرنے لگا بلکہ غصب وسرقہ وعقود فاسد سے اشد واخبث ہیں۔کہ یہ بعد قبض مفید ملک ہوجاتے ہیں اگر چہ بروجہ خبیث اور وہ اصلاً مورث ملک نہیں۔

هذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی واللہ سبحانه وتعالی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم

۱۹" ....(جاری ہے)

حواشی

۱۔رشید احمد بن ہدایت احمد گنگوہی کی پیدائش ۶ ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ/۱۱ مئی ۱۸۲۹ء) بروز پیر ضلع سہارنپور (انڈیا) کے ایک مشہور قصبہ گنگوہ میں ہوئی ان کی وفات (۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء۔ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء) ہوئی تقریباً انچاس سال تک درس وتدریس اور افتاء کی خدمات انجام دیں۔

۲۔گنگوہی، رشید احمد، فتاوی رشیدیہ، محمد علی کارخانہ اسلامی کتب دستگیر، کراچی، ص:۴۸۸۔

۳۔مولانا اشرف علی بن عبدالحق تھانوی کی پیدائش (۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) تھانہ بھون (انڈیا) میں ہوئی، دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی، تھانہ بھون میں سینتالیس سال تک تصنیف وتالیف اور افتاء کی خدمات انجام دیں۔

۴۔تھانوی، اشرف علی، امداد الفتاوی، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۹۸۵ء، ۳:۱۵۵۔

۵۔تھانوی، اشرف علی، امداد الفتاوی، ۳:۱۵۳۔۱۶۰

۶۔مولانا نذیر حسین کی پیدائش ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء میں صوبہ بہار کے ضلع مونگیر سورج گڑھ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم الہ آباد اور پٹنہ کی معروف دینی درسگاہوں میں حاصل کی پھر دہلی میں شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نواسے شاہ محمد اسحق کے حلقہ درس میں داخل ہو کر تفسیر، حدیث اور دیگر علوم وفنون کی تکمیل کی۔

۷۔دہلوی، نذیر حسین، فتاوی نذیریہ، ۲:۱۹۴۔۱۹۵۔

۸۔ابوالوفاء ثناء اللہ بن محمد خضر جو کشمیری امرتسری کی پیدائش (۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء) امرتسر میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم وزیر آباد میں حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے جہاں معقولات ومنقولات کی کتابیں پڑھیں اس کے بعد دورہ حدیث کی تکمیل مدرسہ فیض عام کانپور سے شعبان ۱۳۱۰ھ/فروری ۱۸۹۳ء میں کی۔

۹۔امرتسری، ابوالوفاء ثناء اللہ، فتاوی ثنائیہ، مکتبہ ثنائیہ النور اکیڈمی سرگودھا، ۲:۳۶۰۔۳۶۳۔

۱۰۔مفتی محمد شفیع بن محمد یاسین کی ولادت دیوبند میں (۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء) ہوئی۔ان کی تعلیم وتربیت دارالعلوم دیوبند ہی میں ہوئی اور ۲۲ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند سے (۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء) فارغ التحصیل ہوئے۔

۱۱۔مفتی محمد شفیع، امداد المفتین، ۸۴۹۔۸۵۰۔

۱۲۔مفتی رشید احمد بن محمد سلیم لدھیانوی کی پیدائش اشرف کوٹ ضلع ملتان میں (۳/صفر ۱۳۴۱ھ/۲۶/ستمبر ۱۹۲۲ء) ہوئی ان کا تعلق علماء لدھیانہ کے مشہور خاندان سے ہے، ابتدائی تعلیم گھوٹہ

شریف، جہانگیر آباد اور گکھڑ منڈی اور مولانا ولی اللہ سے (انھی ضلع گجرات) حاصل کرنے کے بعد شوال ۱۳۶۰ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۶۱ھ میں دورہ حدیث کی تکمیل کی۔

۱۳۔ لدھیانوی، مفتی رشید احمد احسن الفتاوی، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹۹۸ء، ۲۰:۸، ۱۰۱۔

۱۴۔ مولانا عبدالحیٔ باندا (۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء) میں پیدا ہوئے، قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد اپنے والد اور مفتی نعمت اللہ سے تمام درسی کتابیں پڑھیں اور سترہ سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کر لی۔ اس کے بعد حیدر آباد دکن میں درس وتدریس کی خدمات انجام دینا شروع کر دیں کچھ عرصہ کے بعد حیدر آباد دکن سے لکھنؤ آ گئے اور آخر عمر تک یہیں درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور افتاء کی خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۵۔ لکھنوی، عبدالحیٔ، مجموعۃ الفتاوی، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۹۸۴ء، ۲:۸ ۱۴۸۔۱۴۹، ۱۵۰۔

۱۶۔ مولانا ارشاد حسین کا خاندانی تعلق شیخ احمد سرہندی سے ہے اور مولانا انہیں کے احفاد میں سے ہیں۔ ان کا شمار رامپور کے معروف علماء وفقہاء میں ہوتا ہے علامہ عبدالحیٔ ان کے بارے میں لکھتے ہیں" وانتھت الیہ الفتیاء وریاسۃ مذھب الحنفی برامبور" ریاست رامپور میں فتوی اور مذہب حنفی کے سب سے بڑے مرجع تھے۔

۱۷۔ رامپوری، ارشاد حسین، فتاوی ارشادیہ، الیکٹرک پریس آگرہ، ۱۹۲۸ء، انڈیا، ۲:۱۱۱۔

۱۸۔ اعلی حضرت احمد رضا خان بن نقی علی خان بریلوی، بروز پیر ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ/ ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بانس بریلی (انڈیا) میں پیدا ہوئے، اعلی حضرت نے زیادہ تر تعلیم اپنے والد سے اور کچھ دیگر علماء سے حاصل کی، سفر حج کے دوران علمائے حرمین وشریفین سے بھی استفادہ کیا۔

۱۹۔ اعلی حضرت احمد رضا خان بریلوی، فتاوی رضویہ، ۷: ۸۷۔۸۹

سیرت طیبہ پر نئی کتاب

سید البشر

بے مثل و بے مثال

★

مؤلف: ہومیو ڈاکٹر خالد علی انصاری

★★★

حامد اینڈ کمپنی ۳۸ اردو بازار لاہور

تقسیم کار: فرید بک سٹال اردو بازار لاہور

شریعت مطہرہ اور
پاکستان میں اسقاط حمل کا قانون

(قسط نمبر ۵)

ڈاکٹر فرح اسلم

اسلام میں خاندانی منصوبہ بندی کی گنجائش؟

منصوبہ بندی کے لیے اسلام میں عزل کی گنجائش چند مخصوص حالات میں رکھی گئی ہے مثلا بیوی کی صحت یا پہلے بچے کی صحت کے تحفظ کے خیال سے یہ سوچا جاسکتا ہے کہ پیدائش میں وقفہ رکھا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی بعض لوگ ایسا کرتے تھے اس کے بارے میں آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے جو جوابات دیئے وہ درج ذیل احادیث میں بیان کئے گئے ہیں اور بظاہر جنین کا مفاد یہ ہے کہ یہ ممنوع اور ناجائز تو نہیں ہے لیکن اچھا بھی نہیں ہے۔ امت کے اکثر فقہا نے اس باب کی حدیثوں سے یہی سمجھا ہے اور ان کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے خاص حالات اور مصالح کی وجہ سے عزل کرے تو گنجائش ہے گناہ نہیں ہے۔"

خاص حالات اور مصالح کے جو طبی دلائل اسلامی میراث میں بیان ہوئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بیوی کا نوعمر ہونا اور حمل کا متحمل نہ ہونا (جو عملی طور پر ثابت ہو چکا ہو)

۲۔ رحم میں کسی بیماری یا نقص کا ہونا

۳۔ مثانہ (Urinary Bladder) میں کمزوری اور زچگی کی خطرناک پیچیدگیاں

۴۔ حمل کی وجہ سے ماں کی زندگی کو خطرہ ہونا

۵۔ رضاعت

۶۔ کوئی جنگی مسئلہ

اگرچہ عزل کو بھی بعض صحابہؓ نے ناپسند بھی فرمایا لیکن اسلام نے حرام نہیں کیا اور قرآن وسنت میں عزل

کرنے کی کوئی سزا بھی مقرر نہیں ہوئی ہے اگر عزل کرنا حرام اور جرم ہوتا تو قرآن وسنت میں اس کی ممانعت ضرور ہوتی اور اس کی سزا بھی بیان ہوتی جب کہ عزل سے نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ بھی واقف تھے اور قرآن وسنت میں جس چیز سے منع کیا گیا ہے یا اس کی سزا مقرر ہوئی ہے تو اس کا کرنا جائز نہیں ہے اور گناہ ہے لیکن قرآن وسنت میں جس فعل کو نہ حرام قرار دیا گیا ہے اور نہ اس سے منع کیا گیا ہے تو اس فعل کے کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہے اور اس سے مرد وعورت کی صحت پر بھی برا اثر نہیں پڑتا۔

لیکن فی زمانہ مغربی اقوام وممالک کی تقلید وپیروی میں بعض ملکوں میں ملکی اور قومی پیمانے پر تحدید نسل کی مہمیں جس طرح چلائی جارہی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ انسانی نسل بڑھنے نہ پائے اگر بڑھتی رہی تو روٹی نہ ملے گی اس کی اسلام میں قطعی گنجائش نہیں ہے یہ وہی گمراہانہ نقطہ نظر ہے جس کی بناء پر زمانہ جاہلیت کے بعض عرب اپنے نومولود بچے کو ختم کر دیتے تھے (معارف الحدیث مولانا منظور نعمانی جلد ۷،۶،۵ صفحہ ۴۶۵)

عزل کے بارے میں احادیث مبارکہ۔

صحیح بخاری شریف میں عزل کا بیان:

صحیح بخاری شریف میں عزل کے بارے میں حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے ایک مستقل باب باندھا ہے اور اس باب میں عزل کے بارے میں انہوں نے احادیث جمع کی ہیں جن کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عزل کرنے سے منع نہیں فرمایا ہے" ہم سے عبداللہ بن محمد بن اسماءؒ نے حدیث بیان کی کہ ان سے مالک بن انس نے ان سے زہری نے ان سے ابن مجریز نے اور ان سے ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا کہ ایک غزوہ (بنی المصطلق میں) ہمیں قیدی عورتیں ملیں، وہ عرب کی بڑی عمر کی شریف عورتیں تھیں ہم کو موت تک (اپنی) عورتوں سے جدا رہنا پڑا اور خواہش کی ہم نے کہ ان عورتوں کے بدلے میں کفار سے کچھ مال لے لیں اور ارادہ کیا ہم نے کہ ان سے نفع بھی اٹھائیں (صحبت کریں اور عزل کریں تاکہ حمل نہ ہو پھر ہم نے کہا کہ ہم عزل کرتے ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے اور ہم ان سے پوچھیں کہ یہ کیا بات ہے پھر ہم نے آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نہ کرو تو بھی کچھ حرج نہیں (یعنی اگر کرو تو بھی کچھ حرج نہیں) اور اللہ تعالی نے جس روح کا پیدا کرنا قیامت تک لکھا ہے وہ ضرور پیدا ہوگی۔

ہم سے علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی ان سے سفیان نے حدیث بیان کی،ان سے عمر بن دینار نے بیان کیا انہیں عطاء نے خبر دی۔انہوں نے جابرؓ سے سنا آپ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب کہ قرآن نازل ہورہا تھا ہم عزل کرتے تھے۔

سنن ابوداؤد:

سنن ابوداؤد شریف میں حضرت امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی نے بھی عزل کے بارے میں احادیث جمع کی ہیں اورانہوں نے اس سلسلے میں ایک مستقل باب ماجاء فی العزل باندھا ہے۔اس میں ایک حدیث ہے۔حضرت ابوسعید حذریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک باندی ہے جس سے میں عزل کرتا ہوں مجھے اس کا حمل قرار پانا پسند نہیں ہے۔کیونکہ میں اس سے وہی چاہتا ہوں جو عام طور پر لوگ چاہتے ہیں (یعنی اس کوفروخت کرکے مال منفعت جوحمل پانے کے بعد ختم ہوجاتی ہے)اور یہودی کہتے ہیں کہ عزل چھوٹے پیمانے پر زندہ درگور کرنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی غلط کہتے ہیں اگر اللہ تعالی اس کو پیدا کرنا چاہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔

سنن نسائی میں ایک حدیث ہے:

''حضرت ابوسعید زرقیؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے متعلق پوچھا اور عرض کیا کہ میری بیوی بچے کو دودھ پلاتی ہے لہذا میں نہیں چاہتا کہ اسے حمل ہوجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مقدر میں لکھا جاچکا ہے کہ رحم میں ہوگا وہ ضرور ہوگا۔

اسی طرح احادیث کی دیگر مستند کتابوں میں عزل کے بارے میں احادیث کا بیان ہے بہرحال احادیث کے مطالعہ سے ہم اس تحقیق کو پہنچتے ہیں کہ عزل جائز ہے اگرچہ بہتر نہیں بعض علماء نے لکھا ہے کہ آزاد عورت سے عزل کرنے کی صورت میں اس کی اجازت لینا ضروری ہے۔

مستند علماء کرام کے فتوے

۔مفتی تقی عثمانی صاحب:

حمل میں اگر جان پڑجائے تو اس کو گرانا ایسا ہے جیسے کسی زندہ انسان کو قتل کرنا اس لیے اس صورت میں کسی بھی حالت میں اسقاط حمل جائز نہیں، چاہے حمل میں کوئی بیماری ہو یا عورت نے کوئی بدکاری کی ہو یا زبردستی اس کے ساتھ بدکاری کی گئی ہو۔

البتہ جان پڑنے سے پہلے اسقاط حمل کا حکم یہ ہے کہ بلا عذر اسقاط کرنا گناہ ہے البتہ اگر کوئی عذر ہو تو اسقاط جائز ہے مثلاً عورت کی جان کو خطرہ ہو یا طبی معائنے کے نتیجے میں یہ بات معلوم ہوئی کہ بچہ معذور ہوگا یا اس میں کوئی لاعلاج بیماری ہوگی، یا زنا سے حمل ٹھہر گیا اور عورت کو یہ ڈر ہو کہ اس کے اولیاء اس کو قتل کردیں گے، یا بدنامی ہوگی یا اور کوئی معقول عذر ہو تو ان تمام صورتوں میں اسقاط حمل کی گنجائش ہے۔ فی الدر المختار ج ۳ ص ۱۷۶ ....

پروفیسر (ڈاکٹر) سید رضوان علی ندوی:

اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان بہت اختلاف ہے، اگرچہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جنین Emboryo میں روح پڑجانے کے بعد جس کی مدت بخاری و مسلم کی حدیث کے مطابق ایک سو بیس دن ہے، اس کا اسقاط تمام فقہاء کے نزدیک حرام ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور مشہور حنفی فقیہ ابن عابدین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر جنین ماں کے پیٹ میں زندہ ہو اور اس کے باقی رہنے سے حاملہ ماں کی زندگی خطرے میں ہو، جب بھی اسقاط جائز نہیں ہے، کیونکہ ماں کی زندگی کے بارے میں خطرہ تو موہوم ہے، جب کہ جنین انسان ہے تو ایک موہوم بات پر ایک انسان (جنین) کا قتل جائز نہیں (حاشیہ ابن عابدین ۱/ ۶۰۲)

کویت میں جو فقہی انسائیکلوپیڈیا (الموسوعۃ الفقہیۃ) کئی سالوں کی محنت کے بعد عالم اسلام کے مختلف علماء وفقہا کی مشترکہ کوششوں سے ۱۹۸۲ء میں کویت میں اشاعت پذیر ہوئی ہے، اس میں مذکورہ حکم ذکر کرنے کے بعد اس انسائیکلوپیڈیا کو تیار کرنے والی فقہا کی کمیٹی نے اپنی یہ رائے دی ہے جو بڑی معقول ہے:

''کمیٹی کی رائے ہے کہ جب فقہاء نے یہ حکم دیا ہے کہ حامل ماں کے پیٹ میں اگر زندہ جنین ہو تو بھی اس کی اجازت نہیں کہ مردہ ماں کے پیٹ کو چاک کرکے اس کی بے حرمتی کی جائے۔ جب یہ بات ہے تو اس صورت میں جب جنین ماں کے پیٹ میں رہنے کی صورت میں ماں کی زندگی خطرے میں ہو تو ماں کی زندگی کی حفاظت زیادہ اہم ہے، کیونکہ ماں اصل ہے، اور اس کی زندگی یقین سے ثابت ہے۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ جنین کے پیٹ میں باقی رہنے سے ماں کی موت واقع ہوگی اور جنین کی بھی''

کمیٹی کی اس رائے سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس صورت میں Abortion جائز ہے، اور میری ناچیز رائے میں یہ رائے بہت وقیع ہے۔

اب مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ شریعت میں جس جنین کا اسقاط حرام ہے اس کا وصف Definition کیا ہے۔ مشہور حدیث میں تو روح پڑنے کی مدت ۱۲۰ دن ہیں یعنی ۱۲۰ دن اور اس کے بعد اسقاط حرام ہوگا۔ حنفی، شافعی مالکی قدیم فقہاء نے جنین کے Definition کے بارے میں بڑی بحثیں کی ہیں اور ان میں اس بارے میں بہت اختلاف ہے، اور جیسا کہ مصر کے مشہور فقیہ اور سپریم کورٹ کے وکیل شہید عبدالقادر عودہ نے اپنی کتاب التشریع الجنائی فی الاسلام (Criminal law in islam) میں ان اختلافات کو ذکر کرنے کے بعد حنبلی فقہاء کی رائے ذکر کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ ماہ کی مدت سے پہلے اسقاط کی صورت میں ماں کے پیٹ سے جنین جدا ہوتا ہے تو سمجھا یہ جائے گا کہ وہ ماں کے پیٹ سے مردہ نکلا ہے، اگرچہ اس کے ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد اس میں زندگی ہو، کیونکہ یہ زندگی ایسی ہے کہ اس صورت میں بچہ کا زندہ رہنا تصور نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ چھ ماہ سے پیشتر اگر جنین اپنی ماں کے پیٹ سے جدا ہوتا ہے تو اغلب یہ ہے وہ زندہ نہیں رہتا، امام شافعی کے اہم شاگردوں میں سے مشہور فقیہ مزنی کی بھی یہی رائے ہے (حنبلی مذہب کی یہ رائے یا فتوی اس مذہب کی مشہور ضخیم کتاب مغنی جلد ۹ صفحہ ۲۔۵۵۰ میں ہے)۔

جہاں تک زنا بالجبر (Rape) کی صورت میں حمل ٹھہر جانے اور پھر اسقاط کا مسئلہ ہے تو نفخ روح سے پہلے یعنی چار ماہ کی مدت سے قبل جنین کے اسقاط (Abortion) کی اجازت تو شرع سے ظاہر ہے۔ یہاں یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ طب کی رو سے بعض حالات میں یا عام طور پر اس سے قبل بھی ماں کے پیٹ میں جنین میں حرکت قلب (Heart beat) سنی جاسکتی ہے، لیکن اس ناچیز کا ذاتی خیال یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفخ روح کا وقت ۱۲۰ دن (چار ماہ) متعین کر دیا ہے تو ہمیں مزید کھوج نہیں لگانا چاہیے، مزید یہ کہ حنبلی مذہب میں تو چھ ماہ سے قبل کے اسقاط کئے جانے والے جنین کو جیسا کہ اوپر بیان ہوا مردہ ہی تصور کیا گیا ہے۔

پھر یہ کہ زنا بالجبر سے پیدا ہونے والا بچہ ایک شریف اور دیندار ماں کے لیے باعث شرم و رسوائی بھی ہوسکتا ہے، بلکہ ایسا ہونا یقینی ہے، زندگی بھر اس کے خاندان والے اور دوسرے لوگ ایسی عورت کو طعنے دے سکتے ہیں اور ایسے Abortion میں کوئی حرج نہیں، اور یہ کہ ایک شریف و پاک دامن عورت تو اتنا عرصہ یعنی چار ماہ گزرنے ہی نہیں دے گی اور اس سے پہلے زنا بالجبر کے نتیجہ میں حمل یا جنین کو ضائع کر دے گی۔

مفتی مولانا عطاء الرحمن:

اسقاط حمل کا موضوع کئی پہلو پر مشتمل ہے ہر حالت پر یکساں حکم تونہیں لگایا جاسکتا۔کیونکہ عمومی اسقاط کی اجازت تونہیں، مگر مختلف وجوہات کی بنا پر ضرورت کے وقت اجازت فقہا کرام نے دی ہے، لیکن ضرورت، بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کا اصول لاگو رہے گا۔اسقاط حمل کے دو مرحلے ہیں نفخ روح سے پہلے اور نفخ روح کے (۱۲۰ دن کے بعد تقریبا) دونوں حالتوں کے احکامات الگ الگ ہیں۔

اسقاط حمل قبل از نفخ:

نفخ روح سے قبل اسقاط حمل کے متعلق بعض فقہا کی عبارتوں سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ ان کو جائز اور درست کہتے ہیں لیکن حقیقی بات یہ ہے کہ احناف وشوافع اور حنابلہ کے ہاں یہ جواز اس صورت میں ہے جب کوئی عذر درپیش ہو بلا عذر اسقاط حمل ممنوع اور گناہ کا باعث ہے۔علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں: "لایخفی انھاتاثم اثم قتل لواستبان ومات بفعلها" (در المختار جلد ۱۹۵) اعضا کے ظہور سے پہلے اور استقرار حمل کے بعد بھی اسقاط حمل جائز نہیں۔انه یکره فان الماء بعدماوقع فی الرحم مال الحیاة فیکون له حکم الحیاة کمافی بیضة صید الحرم (در المختار جلد ۲ ص ۵۵۲)

فامااستخراج ماحمل من الماء فی الرحم فھومذھب الجمھور (فتح الاعلی المالک جلد ۱، ص ۳۹۹)

جواز کی صورتیں:

نفخ روح سے قبل یعنی استقرار حمل کے ایک سو بیس دن کے اندر اگر اعذار شرع موجود ہوں تو اسقاط حمل جائز ہے ورنہ نہیں۔

۱۔عورت کے مستقل بیمار پڑ جانے کا خطرہ ہو یا دماغی صحت یا جان کو خطرہ لاحق ہو۔

۲۔بچے میں خلقی نقص اور جسمانی اعتبار سے بہت زیادہ غیر معتدل ہونے کا قوی خطرہ ہو۔

۳۔بچے کے کسی خطرناک موروثی مرض میں مبتلا ہو کر پیدا ہونے کا قوی خطرہ ہو۔

۴۔طبی آلات کے ذریعہ ظن غالب کے درجہ میں یہ بات معلوم ہوجائے کہ بچہ انتہائی غیر معتدل ہے یا ایسے خلقی نقص میں مبتلا ہے جس سے اس کی ساری زندگی اس پر اور اس کے والدین پر زبردست بوجھ

بن جائے گی۔

۵۔حمل زنا بالجبر کا ہو تب بھی اسقاط جائز ہے۔اس سلسلے میں اتنی بات واضح رہے کہ حمل اگر چہ زنا سے ہو وہ محترم ہے اوراس کا خود کوئی قصور نہیں اسی وجہ سے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ حمل بالزنا کا اسقاط بھی جائز نہیں۔۔۔والحمل محترم لانه لاجناية منه ولهذا لم يجزاسقاطه (هداية جلد ۲ ص ۳۱۲) لیکن چوں کہ اس زمانہ میں اگراسقاط کی اجازت نہیں دیتے ہیں تو بہت سے کنواری لڑکیاں ازدواجی زندگی کی نعمت سے ہمیشہ کے لیے محروم رہیں گی۔اسی وجہ سے محشی ہدایہ مولانا عبدالحی فرنگی محل نے ہدایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ"قوله لم يجز اسقاطه اى بالمعالجة وهذا اذا استبان خلقه وان كان غير متبين الخلق يجوز' امافى زماننايجوزوان استبان الحق وعليه الفتوى"(حاشيه نمبر ۹ هدايه جلد ۲'ص ۲۹۲)

العلاج لاسقاط الولداذا استبان خلقه لايجوزوان كان غيرمتبين الخلق يجوز' امافى زماننا يجوزعلى كل حال وعليه الفتوى (فتاوى عالمگيرى جلد ۴'ص ۱۲۲)

وكذالك امراة يسعهاان تعالج لاسقاط الاحبل مالم يستبين شئى من حق (فتاوى عالمگيرى' جلد ۱ ص ۳۳۵)

عدم جواز کی صورتیں:

۱۔والدین کا اولادنہ چاہنا عذر نہیں لہذا اسقاط کی اجازت نہیں۔

۲۔وہ حاملہ عورت جو جسمانی یا دماغی طور پر مفلوج ہونے کے باعث بچے کی پرورش کرنے کی اہل نہیں اس کے حمل کا اسقاط جائز نہیں' کیونکہ بچے کی پرورش کا انتظام شوہر کے ذمہ ہوگا یا پھر خاندان والوں کے ذمہ ہوگا۔

۳۔استقرارحمل کے بعد طبی جانچ کے نتیجے میں یہ معلوم ہونے پر کہ حمل لڑکی کا ہے اس صورت میں بھی اسقاط حمل جائز نہیں اگر چہ ۱۲۰دن کے اندر ہو۔کیونکہ یہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے مترادف ہے۔الاية۔واذاالموءودةسئلت باى ذنب قتلت (سورةالتكوير ۹)

نفخ روح کے بعد اسقاط حمل:

نفخ روح کے بعد اگر چہ وضع حمل میں حاملہ کی جان کا بھی خطرہ ہو۔تاہم اسقاط حمل کی

اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔حدیث کے مطابق استقرار حمل کے چار ماہ یعنی ۱۲۰ دن بعد روح پیدا ہوتی ہے۔غالباً علم الجنین کے جدید ماہرین بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔روح پیدا ہونے کے بعد اسقاط حمل بالاجماع حرام ہے اور الضرر لایزال بالضرر جیسے اصول کا تقاضہ بھی ہے ایک جان کی حفاظت کے لیے دوسری جان کا اتلاف ترجیح بلا مرجح اور محض تحکم ہے۔احمد علی مالکیؒ فرماتے ہیں" والتسبب فی اسقاطه بعد نفخ الروح فيه محرم اجماعا وهو من قتل النفس "(فتح العلی المالک جلد ۱، ص ۲۹۹)

البتہ علمائے کرام نے اسقاط حمل کے بعد نفخ روح کو اس صورت میں جائز کہا ہے کہ اگر عورت کے بطن میں بچہ زندہ ہو اور اس کے اسقاط کے بغیر ماں کی زندگی بچنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اسقاط جائز ہے۔اس لیے کہ ان دو حزر میں سے ماں کی موت حزر اعلی ہے۔اور بچے کی موت حزر اھون ہے جیسا کہ قاعدہ ہے۔

من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونہا (الاشباء والنظائر) اور اس لیے کہ ان دو حالتوں میں سے ماں کی موت فوراً علی ہے اور بچہ کی موت فور۔نیز ماں کا زندہ وجود مشاہدہ معائن ہے اور بچہ کا مظنون جیسا کہ فقہانے استحساناً ان مسلمانوں کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے جنہیں کفار نے اپنے لشکر کے آگے ڈھال بنا رکھا ہے کہ مملکت اسلامیہ کا اہل اسلام کے ہاتھ سے نکل جانا چند مسلمانوں کی موت کے مقابلہ بڑا ضرر ہے۔یہاں ان عبارتوں سے شبہ ہوسکتا ہے کہ جن میں ایک شخص کی جان بچانے کو فقہانے منع کیا ہے۔مثلاً ابن نجیم کی یہ عبارت "لان احیاء النفس بقتل نفس احزی لم یرد فی الشرع (حوالہ البحر الرائق)

زیر بحث مسئلہ میں اسقاط کو درست ہونا چاہیے کہ ماں کی زندگی جس قدر یقینی ہے "جنین" کی زندگی اس طرح یقینی نہیں ہے۔علامہ شامی نے ایک مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے جو بات لکھی ہے اس سے فی الجملۃ اس کی تائید ہوتی ہے۔فرماتے ہیں۔ان الحامل اذا ماتت وولدها حی يتحرک شق بطنها من الايس ويخرج ولدها لو ماتت و الولد في بطنها وهي حية على الام قطع واخرج بخلاف مالو كان حيا لان موت الام به مرحوم فلا يجوز قتل آدمی حتی لامه مرحوم (در المختار جلد ۱ ص ۲۶۲) واللہ اعلم وعلمہ اکمل اتم۔

اس مطالعے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام ایک فرد کے ذاتی پس منظر، حالات یا مسائل کی وجہ سے منصوبہ بندی کی اجازت دیتا ہے، مگر اسے ایک فرد یا خاندان کا انتہائی ذاتی اور حساس معاملہ

قرار دیتا ہے جس میں دخل اندازی کی اجازت کسی حکومت یا ادارے کو نہیں' یہ ہر فرد کی اپنی صوابدید پر ہے اسے ایک پالیسی کے تحت قومی یا بین الاقوامی سطح پر اشتہار بنانا' اس کے لیے حربے اور دباؤ کا استعمال کرنا' پرکشش ترغیبات دے کر لوگوں کے جذبات سے کھیلنا اور اسے من حیث القوم یا بین الاقوامی طور پر اپنانے کی ترویج ناجائز ہے' یہ انسانی آبادی کو ختم کرنے کی ایک اسکیم بن جاتی ہے اگر اسے ملکی یا بین الاقوامی سطح پر پھیلایا اور اپنایا جائے۔

اسقاط کے حوالے سے مخالفت اور موافقت

اسقاط کی تحریک پوری دنیا میں جیسے جیسے آگے بڑھی ہے اس کے متوازی' اس کی مخالفت اور حمایت بھی قومی اور بین الاقوامی منظرنامے میں اپنی جگہ پاتی رہی ہے۔ تمام انسانی مذاہب اور تہذیبیں اس کے پرجوش حامی اور بھرپور اسکالرز پیدا کرتی رہی ہیں جو اپنے موقف کو اپنے طور پر دلائل سے صحیح ثابت کرنے میں کوشاں رہے۔ بہر حال زندگی کے حق میں دلائل ٹھوس' سچے اور حقیقت پر مبنی ہیں جب کہ اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والے یا اسے ختم کرنے کی وجوہات اپنے اندر کچھ جواز رکھتی ہیں۔ ان وجوہات اور حل کا ایک جائزہ لیتے ہیں۔

ا..... کہا جاتا ہے کہ: اسقاط کروانا ایک عورت کا انسانی حق ہے۔ یہ اس کا جسم ہے وہ جیسا چاہے اس میں تبدیلی یا کمی بیشی کا حق محفوظ رکھتی ہے۔ اس وجہ کا جواب اس سے پہلے بھی گزشتہ صفحات پر آچکا ہے لیکن چونکہ اس وقت ہم ان وجوہات پر الگ سے نظر ڈالیں گے' اس لیے اعادہ کر لیتے ہیں۔

آپ نے آج تک یہ نہیں سنا ہوگا کہ کسی نے اپنی چھٹی انگلی کٹوا دی کہ وہ غیر ضروری تھی۔ یا اس کے پیر کا ایک انگوٹھا یا چھوٹی انگلی نکلوا دی کہ وہ بدصورت تھی۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ایک انسان کے بننے کے بنیادی مدارج بتائے گئے ہیں کہ وہ ماں اور باپ کے Cells کے ملاپ سے شروع ہو کر کس طرح ماں کے جسم کے ایک حصے میں پیوست ہو کر' اسی سے اپنی نمو حاصل کرتا ہے اور اسی کا ایک حصہ بنتا ہے' جب تک کہ اس میں اپنی روح ہو یا وہ اپنی تنہا زندگی کے قابل نہیں ہو جاتا۔ (حدیث کے مطابق یہ وقت Conception کے بعد ۱۲۰ دن تک کا ہے' چونکہ زیادہ تر کیسز میں تاریخ کا تعین نہیں ہوتا اور ہم یہ بھی نہیں جان سکتے کہ مہینے کے کس دن میں عمل کی ابتدا ہوئی ہے لہذا ہم ۱۲۰ دن کا بھی بالکل صحیح تعین نہیں کر سکتے) اس وقت کے آنے تک یہ ماں کے جسم کا ایک حصہ ہے۔ ہر انسان

کو یہ جسم مقدس امانت کے طور پر دیا گیا اس کی جسمانی اور روحانی حفاظت ہر انسان پر فرض ہے اور اس کی اس سے پوچھ گچھ ہوگی یہ بات قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ بروز قیامت جسم کا ایک ایک حصہ گواہی دے گا کہ اس سے کیا کام لیا گیا ہے؟ وہ کس کام کے قابل تھا اور اسے ضائع کر دیا گیا۔ لہٰذا کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے جسم کا کوئی بھی حصہ غیر ضروری' بے کار اور بوجھ سمجھ کر کاٹ کر پھینک دے۔ یقینا جوابدہی کے وقت جسم کے نکالے گئے حصے ضرور پیش ہوں گے اور یہ بتائیں گے کہ نہیں کیا بنانا تھا' مستقبل میں کیا کچھ کرنا تھا جس کو دنیا کے انسانوں نے روک دیا۔

روح آنے کے بعد تو اسقاط کروانا قتل ہے جس کی سنگینی اور جوابدہی سے ہر انسان واقف ہے۔ اگر دنیا میں چلتا پھرتا انسان زندگی کا اختیار رکھتا ہے اور انسانی حقوق کا نعرہ لگاتا ہے تو ایک آنے والے فرد کا بھی انسانی حق ہے زندگی کا۔ اس کے لیے آواز اٹھانے والی کون سی تنظیم ہوگی؟ جب کہ مذہب میں یہ طے ہے کہ اگر آنے والی جان سے موجودہ جان کو خطرہ ہوسکتا ہے تو ترجیح وہ حیات ہوگی جو اس وقت دنیا میں موجود ہے۔ دنیا کے ہر مذہب معاشرے' اخلاق میں یہی بات معقول اور عقلاً درست مانی گئی ہے۔

۲...... اسقاط کے لیے دوسرا سہارا معاشی وجوہ کا لیا جاتا ہے' اس کے لیے بڑے پرکشش اور بظاہر بڑے معقول اور حقیقت سے بظاہر قریب دلائل کا سہارا لیا جاتا ہے۔ دنیا کے ایسے لوگ جو بظاہر نظر آنے والی اور سطحی مسائل ووسائل پر نظر رکھتے ہیں وہ ان دلائل کی فریب کاریوں میں آسانی سے آکر اس کی حمایت میں پر جوش کارکن کے طور پر سب کچھ کر گزرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں' قطع نظر اس بات کہ' کسی بھی وجہ یا بظاہر نظر آنے والے اسباب پر صرف ایک اچٹتی نظر' اس کے حل کے لیے کارآمد نہیں ہوسکتی' بلکہ کسی بھی مسئلے کو ایک وسیع کینوس اور اس کی پوری گہرائی تک پہنچ کر' سمجھ کر' اس کا پائیدار' اگرچہ وقتی نقصان لیکن دائمی فائدے پر مبنی حل تلاش کرنا چاہیے۔ معاشی مسئلے کو اگر نکات وار دیکھا جائے تو کچھ یوں حقیقت سامنے آتی ہے۔

مالتھوس نے ۱۷۹۸ء میں پہلی مرتبہ جب دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے حساب' وسائل کی کمی کا جو اندازہ لگایا تھا وہ بعد کے حالات نے قطعی طور پر خود ہی غلط ثابت کر دیا۔ انیسویں اور اٹھارویں صدی میں دنیا کے وسائل میں' آبادی کے تناسب سے' زیادہ اضافہ ہوا۔ ۱۸۹۷ء پورے سو سال بعد ولیم کروکس' صدر برٹش ایسوسی ایشن نے پھر خطرے کی گھنٹی بجائی اور کہا کہ ۱۹۳۱ء تک پیداوار کی کمی خطرناک ترین صورت اختیار کرلے گی اور انسانیت وسیع پیمانے پر قحط اور موت سے دوچار ہوگی۔ لیکن ۱۹۳۱ء میں دنیا قلت

پیداوار کے بجائے کثرت پیداوار کے مسائل سے دوچار تھی۔امریکا اور انگلینڈ میں ۱۸۶۰ء سے ۱۹۳۸ء کے عرصے کے دوران فی کس قومی پیداوار میں اضافہ بالترتیب ۰/ ۸۱۰ ۳:اور ۰/ ۲۳۱۰ تھا اس سے کم وبیش صورتحال دیگر یورپین ممالک کی تھی۔

۱۹ ویں صدی کے ربع آخر تک یورپ کی آبادی تیزی سے بڑھتی رہی یہاں تک ۷۵ سال کے اندر قریب قریب دگنی ہوگئی خصوصاً انگلینڈ میں تو آبادی میں حیرت انگیز اضافہ ہوا جس کی مثال نسل انسانی کی پچھلی تاریخ میں نہیں ملتی۔۱۷۷۹ء میں ملک کی آبادی ۱۲ ملین تھی ۱۸۹۰ء میں ۳۸ ملین تک پہنچ گئی‘لیکن اس اضافے کے ساتھ معاشی وسائل میں بھی زبردست ترقی ہوئی۔صنعت وتجارت میں یہ ممالک تمام دنیا کے اجارہ دار بن گئے۔ان کی زندگی کا انحصار اپنی زمین کی پیداوار پر نہ رہا بلکہ وہ اپنی مصنوعات کے معاوضہ میں دوسرے ممالک سے سامان غذا حاصل کرنے لگے اور نسل کی زبردست افزائش کے باوجود ان کو کبھی یہ محسوس نہ ہوا کہ زمین ان کی بڑھتی ہوئی نسلوں کے لیے تنگ ہوگئی یا قدرت کے خزانے ان کی افزائش نسل کا ساتھ دینے سے انکار کررہے ہیں۔اسی طرح کی صورتحال دیگر یورپین ممالک کی تاریخ بھی بتاتی ہے جو کہ اعداد وشمار سے بھی تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے۔یہی وجہ تھی کہ وہ براعظم امریکہ سے آسٹریلیا تک پھیل گئے۔یہی تاریخ چین کی رہی اور اب انڈیا کی۔افرادی قوت کا بہترین استعمال‘ دونوں کے لئے کرشمہ ثابت ہوا‘ معاشی اور سیاسی دونوں طور پر۔

انگلینڈ کے ماہر معاشیات پروفیسر کولن کلارک اپنی کتاب Worid population and Food کے باب Vol.18Nature‘ مئی ۱۹۵۸ء میں لکھتا ہے:

’’اہل برطانیہ نے بلند ہمتی کے ساتھ مالتھوس کی باتوں کو سننے سے انکار کردیا۔اگر وہ مالتھوس کے آگے جھک جاتے تو آج برطانیہ اٹھارویں صدی کے طرز کی ایک چھوٹی سی زرعی قوم ہوتا۔امریکا اور برطانوی دولت مشترکہ کے نشوونما وارتقاء کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔صنعت کے فطری معاشی تقاضے‘وسیع طلب‘ بڑی منڈی اور نقل وحرکت کا ایک موثر نظام اس کا پیمانہ ہیں جو ایک عظیم اور بڑھتی ہوئی آبادی ہی کی صورت میں قابل حصول ہیں‘‘۔

اسی طرح پروفیسر اوگانسکی سائنس میگزین میں لکھتا ہے:

’’آبادی میں عظیم اضافہ......ایسا اضافہ جو بے ضبط و بے لگام تھا......یورپ کو دنیا کی درجہ اول کی طاقت بنانے میں فیصلہ کن ثابت ہوا‘‘۔ (جاری ہے)

Scanned with CamScanner

میانوی خاندانِ مفتیاں

کی علمی وادبی اور دینی وملی خدمات کا تحقیقی جائزہ

مولانا غلام رسول انیس

زیر نظر مقالہ مولانا غلام رسول انیس نے لکھا تھا انہیں شوق تھا کہ وہ اپنے علاقہ کے ان معروف علماء ومفتیان کرام کے علمی کارناموں کو منظر عام پر لائیں جن کی خدمات علمیہ سے اہل علاقہ تو واقف ہیں مگر ملکی سطح پر مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کا تعارف ماند پڑتا جا رہا ہے اور ان کی علمی کاوشوں کی اشاعت بھی مکمل طور پر نہیں ہوسکی، راقم کو ان کی رائے پسند آئی اور انہیں اسے اپنے ایم فل / پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ کا عنوان بنانے کا مشورہ دیا۔ الحمد للہ دو برس کی محنت سے مقالہ مکمل ہوا اور اس پر انہیں ایم فل کی ڈگری بھی مل گئی، اب وہ پی ایچ ڈی کے لئے مواد کی تیاری کے مراحل میں تھے کہ اللہ کی رحمت کا بلاوا آ گیا، وہ ایم فل کا مقالہ شائع نہ کرواسکے، اور نہ پی ایچ ڈی کا مرحلہ شروع ہوسکا، وہ حافظ قرآن تھے، ابھرتے ہوئے محقق عالم تھے، عساکر کے امام تھے، خطیب تھے، مطالعہ انکا مشغلہ تھا، وہ علمی مباحث میں دوستوں سے الجھتے بھی تھے اور الجھے ہوئے مسائل سلجھاتے بھی تھے۔ اللہ تعالی نے انہیں بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ہم ان کا غیر مطبوعہ مقالہ قسط وار شائع کرنے کے بعد طبع کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں سو پہلی قسط کے بعد اب دوسری قسط پیش خدمتِ قارئین ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبد الرحمنؒ میانوی

ولادت:

آپ مولانا حافظ مفتی محمد اسماعیل صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ غالباً ۱۰۵۴ھ / ۱۶۴۴ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

☆ بہ شیرین زبانی ولطف وخوشی .... توانی کہ پیلی بہ موئی کشی ☆

آپ کے والد ماجد وقت کے جید عالم تھے انہوں نے آپ کی صلاحیتوں کو بھانپ کر آپ کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ فرمائی۔ تاکہ بیٹا صحیح معنوں میں خادم دین بن جائے۔ بچپن میں ہی قرآن کریم پڑھنے کے بعد آپ نے مروجہ دینی علوم اپنے والد ماجد سے حاصل کیے۔ عین ممکن ہے کہ دیگر کئی اساتذہ سے بھی پڑھا ہو مگر ہمیں کوئی حوالہ نہیں مل سکا۔

دعوت وارشاد:

حصول علم کے بعد والد گرامی کی معیت ورہنمائی میں درس وتدریس، وعظ ونصیحت کا آغاز کیا۔ والد کی وفات کے بعد آپ ہی ان کے جانشین بنے اور تادم زیست ترویج اسلام کا فریضہ انجام دیا۔

قلمی کاوشیں:

اُس دور میں کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتیں اور کتاب مہیا کرنے کے یہی طریقے تھے کہ کسی سے لے کر نقل کر لی جائے یا کروالی جائے یا خریدی جائے، کتاب بہرطور قلمی ہوتی۔ کتاب عالم کی لازمی ضرورت ہے اور بالخصوص جب فتوی طلب کیا جائے تو متعلقہ کتب کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ چناں چہ وعظ وارشاد کے ساتھ آپ نے تحریر کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ مگر کسی نئ تصنیف کی بجائے کتب اسلاف کی ضرورت وحفاظت کو ضروری سمجھا۔ اور یہ کوشش بھی لائق صد تحسین ہے۔ اگر آپ کی کوئی تصنیف تھی بھی تو شاید گردش زمانہ کی نذر ہو چکی، کیوں کہ کوشش بسیار کے باوجود کوئی کھوج نہیں لگایا جا سکا۔

مفتی صاحب بہت عمدہ خوش نویس اور خط نسخ ونستعلیق دونوں میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ کے ہاتھ سے نقل کی گئی مندرجہ ذیل کتابیں آپ کے کتب خانہ واقع جامع مسجد مفتیاں والی میانی میں محفوظ ہیں جو آپ کی شبانہ روز محنت، علم دوستی اور مرجع خلائق ہونے کی غماض ہیں۔

(۱) **حاشیہ برشرح ملّا، عربی، قلمی** موضوع: علم نحو

مصنف: میاں شیخ وجیہ الدین گجراتی صفحات: ۱۹۰

تسوید: مفتی عبدالرحمن میانوی

(۲) **فتاوی سراجیہ، عربی قلمی** موضوع: فقہ

صفحات: ۵۴۲ مصنف: علامہ سراج الدین الاوشی متوفی ۵۶۹ھ

تسوید: مفتی عبدالرحمن میانوی

تاریخ تکمیل: بروز سوموار شوال المکرم ۱۰۹۹ھ

(۳) فتاوی فصول عمادی، عربی قلمی موضوع: فقہ

صفحات: ۶۱۱ مصنف: شیخ الاسلام جمال الدین

تسوید: مفتی عبدالرحمن میانوی

تاریخ تکمیل: بروز بدھ ربیع الثانی ۱۱۱۰ھ

اس کے آخری صفحہ پر تتمہ میں لکھا ہے

''قد وقع الفراغ من هذا الکتاب بید الضعیف النحیف الراجی الی رحمة الله فقیر الحقیر عبدالرحمن بن شیخ اسمعیل المفتی النمکساری یوم الاربعاء من ربیع الثانی سنة الف و مایة وعشر من الهجریة'' (۱)

علاوہ ازیں درج ذیل فتاوی جات آپ نے قیمتاً نقل کروائے

(۴) خزانة المفتین، عربی قلمی موضوع: فقہ

صفحات: ۹۸۴ جلد: اوّل، دوم

تسوید: شریف عرف آوان سکنہ موضع ہری وال گوندلاں چکلہ بادشاہ پورعملہ پرگنہ بھیرہ

تاریخ تکمیل: ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۵ھ

آخر میں کاتب نے لکھا ہے'' ایں کتاب حق وملک فضیلت پناہ کمالات ونگاہ میاں عبدالرحمن ولد مرحوم مغفوری میاں اسماعیل مفتی پرگنہ نمکسا راست'' (۲)

(۴) فتاوی حسب المفتین، عربی قلمی موضوع: فقہ

صفحات: ۷۳۸

مصنف: امیر ابوالمعالی بن خواجہ مولانا بخاری

تسوید: کتاب کا آخری ورق ضائع ہوجانے کے باعث کاتب کا نام اور تاریخ تسوید موجود نہیں اس کتاب کے پہلے صفحہ پر مفتی صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے ''قد تملکت بالشرا فقیر عبدالرحمن'' (۳)

اس کے نیچے مفتی عبدالرحمن صاحب کی مہر لگی ہوئی ہے مگر افسوس کہ اب وہ صحیح طور پر پڑھی نہیں

جا سکتی کافی حد تک مٹ چکی ہے

(۵) فتاوی حمادیہ، عربی قلمی موضوع: فقہ

صفحات: ۷۷۰ مصنف: ابوالفتح مفتی رکن الدین بن حسام الدین ناگوری

یہ کتاب بھی آپ نے قیمتاً نقل کروائی

مؤخر الذکر چار کتابیں تقریباً نایاب ہیں۔ استاذی المکرمی علامہ مفتی عبد القیومؒ ہزاروی ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کو جب اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضاؒ بریلوی کے فتاوی رضویہ کی جدید اشاعت کے وقت تخریج حوالہ جات کے ضمن میں ان کتب کی ضرورت پڑی تو کہیں سے میسر نہ آئیں۔ پھر ان قلمی نسخوں کی میانی میں موجودگی کا علم ہوا تو انہوں نے استاذی المکرمی علامہ مفتی محمد رفیقؒ میانوی کو خط لکھ کر یہ کتابیں طلب کیں اور آپ نے لاہور بھجوائیں۔ (۴)، حضرت ہزاروی نے تحقیق وتخریج میں استعمال کے بعد ان کی فوٹو کاپیاں کرا کرا اپنے جامعہ کی لائبریری میں محفوظ کیں اور اصل کتب نئی جلد بندی کے ساتھ واپس میانی پہنچائیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ طباعت کی سہولتوں سے محروم اُس زمانہ میں ہزاروں صفحات پر مشتمل ایسی ضخیم کتب نقل کر کے اس علمی خزانہ کو محفوظ کرنا کتنی عظیم علمی خدمت اور قیمتی اثاثہ ہے کہ چار صدیوں بعد بھی ان کے بغیر آگے قدم نہیں بڑھایا جا سکتا۔

اولاد واحفاد:

مفتی صاحب کی ایک شادی ہوئی۔ اس سے آپ کے دو صاحبزادے مبارک محمود اور محمد زاہد پیدا ہوئے۔ آخر الذکر لاولد گئے۔

مفتی مبارک محمود کا ایک ہی بیٹا محمد عابد تولد ہوا۔

اور مفتی محمد عابد کے دو صاحبزادے حافظ شیخ عبداللہ، نور محمد اور ایک صاحبزادی فاطمہ بی بی پیدا ہوئیں۔

وفات:

مفتی صاحب نے مصروف تعلیمی وتبلیغی زندگی بسر کی۔ اپنے والد کے صحیح جانشین ثابت ہوئے، ایک زمانہ آپ سے مستفیض ہوا۔ اور بالآخر اپنا علم وجذبہ اپنی اولاد کو منتقل کر کے غالباً (۱۱۲۵ھ/ ۱۷۱۴ء) میں وصال فرمایا۔ اور میانی سے متصل مشرق میں واقع آبائی قبرستان چاہ باغاں والہ میں مدفون ہوئے۔ (۵)

مولانا مفتی مبارک محمودؒ میانوی

(۱۰۸۵ھ - ۱۱۵۰ھ (۱۶۷۵ع - ۱۷۳۷ع)

ولادت:

مفتی مبارک محمود بن مفتی عبدالرحمن بن مفتی حافظ محمد اسماعیل عہد عالمگیر کے وسط میں غالباً (۱۰۸۵ھ/۱۶۷۵ء) میں قصبہ میانی ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔

حصول تعلیم:

آپ نے بچپن میں ہی قرآن پاک پڑھ لیا۔ آپ کے والد ماجد اور دادا جید عالم دین اور ماہر فقیہ تھے۔ انہوں نے ہونہار بیٹے کو خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیا اور اسی نہج پر آپ کی تربیت فرمائی۔ آپ نے اپنے دادا مفتی محمد اسماعیل اور والد گرامی مفتی عبدالرحمن سے علوم متداولہ حاصل کئے۔ کسی اور استاذ کا ہمیں کوئی حوالہ نہیں ملا۔

وعظ وارشاد:

اپنے والد کی وفات کے بعد آپ مسند آرائے ارشاد ہوئے۔ اور وعظ ونصیحت اور تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا اور اپنے علمی فیض سے اہل علاقہ کو مستفیض کیا۔

اولاد:

آپ کی ایک شادی ہوئی اور ایک ہی بیٹا محمد عابد پیدا ہوا۔ مفتی محمد عابد کے دو بیٹے حافظ شیخ عبداللہ ،نور محمد اور ایک بیٹی فاطمہ بی بی پیدا ہوئی۔

وفات:

آپ نے قریباً (۱۱۵۰ھ ۷ ۱۷۳/ء) میں وفات پائی اور میانی سے متصل مشرق میں واقع اپنے آبائی قبرستان چاہ باغانوالہ میں مدفون ہوئے۔ (۶)

مولانا مفتی محمد عابدؒ میانوی

۱۱۳۴ھ - ۱۲۰۸ھ (۱۷۲۱ع - ۱۷۹۳ع)

ولادت:

مفتی محمد عابد بن مفتی مبارک محمود بن مفتی عبدالرحمن میانوی غالباً (۱۱۳۴ھ/۱۷۲۱ء)

میں قصبہ نمک میانی ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔

تعلّم و تعلیم:

بچپن میں قرآن کریم پڑھنے کے بعد ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے والد ماجد سے کیا جو کہ جید عالم دین تھے۔ ان کی وفات کے بعد کن اساتذہ سے فیض حاصل کیا کچھ معلوم نہیں۔ تاہم صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ عالم اور مفتی تھے۔ اپنے آبائی علمی مرکز میں تاحیات وعظ، امامت وخطابت اور فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیتے ہوئے بزرگوں کے فیض کو جاری رکھا۔

اولاد:

آپ کے دو بیٹے مفتی حافظ شیخ عبداللہ، نور محمد اور بیٹی مسمات فاطمہ بی بی تولد ہوئی۔ آخر الذکر دونوں لاولد گئے۔ نور محمد کا بروز بدھ ۳ ذیقعد ۱۲۷۹ھ کو انتقال ہوا۔ اوّل الذکر کا تذکرہ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

وفات:

غالباً (۱۲۰۸ھ ۱۷۹۳/۱ء) میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور میانی سے متصل مغرب میں واقع قبرستان شاہ شکیرہ میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ (۷)، اب میانی کی آبادی اس قبرستان سے تجاوز کر گئی ہے۔

حضرت مولانا حافظ الشیخ مفتی عبداللہ قادری میانوی قدس سرہ

(۱۱۶۷ھ۔ ۱۲۴۲ھ (۱۷۵۴ع۔ ۱۸۲۷ع)

آپ کا عہد:

معاشرتی تہذیب وتمدن کے سنوار یا بگاڑ میں حکومتوں کا کردار ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ عالم گیر کا زمانہ اگرچہ نظم سلطنت، علوم وفنون کی ترقی اور ترویج اسلام کے لحاظ سے مثالی دور تھا لیکن تمام خرابیوں کا خاتمہ سمجھنا بھی مبالغہ آرائی ہے بلکہ تنگ نظر ومفاد پرست علماء اور بدعنوان ارباب اختیار کی بھی کمی نہ تھی، خود بادشاہ کو اس کا ادراک بھی تھا۔ جس کا اظہار معاصر تاریخی تذکروں میں ملتا ہے۔ تاہم یہ کہنا بھی بے جا نہیں کہ بعد کی صدیوں میں ترویج اسلام اور تہذیب وتمدن کی جس قدر ترقی ہوئی اس کی بنیاد عہد عالم گیر ہی میں رکھی گئی۔

Scanned with CamScanner

عالم گیر معاملہ فہم بادشاہ تھا۔ اس کی پوری کوشش کے باوجود کئی پشتوں سے بگڑے ہوئے مزاج کلی طور پر درست تو نہ ہوئے مگر حالات کسی حد تک قابو میں رہے۔ اس کے جانشین نا اہل ثابت ہوئے اور اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی حالات پہلے سے بدتر ہو گئے۔ رشوت، نمائش دولت، فضول خرچی، زیر دستوں پر سختی، عیش پرستی اور اخلاقی انحطاط وغیرہ لوٹ کر آئے۔ زوال سلطنت کا آغاز ہوا، صوبائی گورنر خود مختار ہونے لگے۔ ملک میں خانہ جنگی کا دور دورہ شروع ہوا۔ مرہٹوں نے پھر سے سر اٹھایا۔ پنجاب میں سکھوں اور بنگال میں انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی نے سازشوں کا جال بچھایا اور ۱۷۵۷ء میں بنگال پر قبضہ کر لیا۔

ادھر نادر شاہ نے پنجاب کو تباہ کرنے کے بعد ۱۷۳۹ء میں دہلی کو تاراج کیا۔ ۱۷۴۸ء میں محمد شاہ کی وفات کے بعد عماد الملک اور صفدر جنگ کی باہمی چپقلش میں دہلی پھر میدان جنگ بنا۔ ۱۷۵۷ء میں احمد شاہ ابدالی نے ایک بار پھر پنجاب کو برباد کرنے کے بعد دہلی کو تختہ مشق بنایا۔ اقتدار شاہ عالم کو ملا، غلام قادر روہیلہ نے اس کی آنکھیں نکال کر اندھا کیا۔ لیکن مرہٹوں کی مدد سے روہیلے کے قتل کے بعد یہ ۱۷۸۸ء میں دوبارہ تخت نشین ہو کر ۱۸۰۶ء تک مثلِ شاہِ شطرنج رہا۔

پنجاب میں ۱۸۴۹ء تک سکھا شاہی اور شورش کا دور دورہ رہا۔ بالآخر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے مغلیہ دور اقتدار کے آخری چراغ بہادر شاہ ظفر کو گل کر کے ہندوستان پر اپنا پرچم لہرا دیا۔ اس طرح عالم گیر کی وفات (۱۷۰۷ء) سے شروع ہونے والا مسلمانوں کا سیاسی۔ اقتصادی، تعلیمی وتہذیبی دور ابتلاء اپنے عروج کو پہنچا۔

ان سیاسی حالات نے اسلامی تمدن کے ارتقاء اور ترویج اسلام کے کام کو بُری طرح متاثر کیا۔ لیکن اس دور میں بھی علماء نے تعلیم وتعلم، ترویج اسلام اور علوم اسل اسلامیہ کے فروغ اور تحفظ میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

البتہ یہ ہوا کہ بعض کی جدوجہد زینتِ اوراق بن گئی اور بعض کو تاریخ محفوظ نہ کر سکی۔ مفتی شیخ عبداللہ قادری میانوی اور آپ کے خاندان کے دیگر علماء کے ساتھ بھی یہی ہوا۔

ولادت:

مفتی شیخ عبداللہ بن مفتی محمد عابد بن مفتی مبارک محمود، آپ ۱۱۶۷ھ/ ۱۷۵۴ء میں میانی ضلع سرگودہا میں پیدا ہوئے۔

حصول تعلیم:

آپ نے اپنے آبائی علمی مرکز میں نوعمری ہی میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ اس کے بعد علوم متداولہ اپنے والد ماجد سے حاصل کیے جو کہ جید عالم دین تھے۔ اس کے علاوہ آپ کے ایک استاذ گرامی کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب مراح الارواح آپ نے اپنے ہاتھ سے نقل کی۔ اس کے آخر میں لکھتے ہیں

''از خدمت محققین قدوہ مدققین سر حلقہ فضلاء سرآمد علماء استاذی شیخ محمد عمر جیو مسموع است کہ کریم آنکہ خود نخورد و بدہد، واکرم آنست کہ خود نخورد و بدہد و امر مردم را بدادن کند۔ ولئیم آنست کہ نخورد وندہد، والیم آنست کہ خود نخورد وندہد وازدادہ منع کند۔ وسخی آنکہ بخورد وبدہد، وپس اطلاق سخی برذات حق تعالیٰ کفر باشد، وبخیل آنکہ بخورد وندہد''

''میں نے محققین و مدققین کے رہنما، حلقۂ فضلاء کے پیشوا، سردار علماء اپنے استاذ شیخ محمد عمر صاحب سے سنا ہے کہ کریم وہ ہے جو خود نہیں کھاتا اور دوسروں کو دیتا ہے اور اکرم وہ ہے جو خود نہیں کھاتا، دوسروں کو دیتا ہے اور دوسروں کو دینے کا حکم بھی دیتا ہے۔ اور لئیم وہ ہے جو نہ خود کھاتا نہ دوسروں کو دیتا ہے، اور اَلیم وہ ہے جو نہ خود کھاتا ہے نہ دوسروں کو دیتا ہے اور دوسروں کو دینے سے روکتا بھی ہے، اور سخی وہ ہے جو خود بھی کھاتا اور دوسروں کو بھی دیتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ پر سخی کا اطلاق کفر ہے۔

اور بخیل وہ ہے جو خود کھاتا ہے مگر دوسروں کو نہیں دیتا (۸)

ممکن ہے کئی دیگر اساتذہ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا ہو مگر ہمیں کوئی حوالہ دستیاب نہیں ہوسکا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا آپ نے جلد ہی علوم اسلامیہ میں مہارت حاصل کرلی۔

بیعت طریقت:

علوم ظاہری کے ساتھ آپ نے علوم باطنی کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ یہ تو معلوم نہیں ہوسکا کہ آپ نے کس بزرگ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ تاہم آپ کے صاحبزادگان کی تحریروں سے مترشح ہے کہ قادری سلسلۂ طریقت سے اپنی روحانی نسبت قائم کرکے تزکیۂ باطن اور سلوک کی منازل طے کیں۔ آپ شب زندہ دار صوفی تھے۔ (۹)

تبلیغ وارشاد:

آپ نے والد گرامی کی زندگی اور ان کی رہنمائی میں تبلیغ وارشاد کے فرائض انجام دینا

شروع کر دیئے اور ان کی وفات کے بعد جب مسند نشیں ہوئے تو لوگوں کی توجہات اور امنگوں مرکز بن گئے۔ آپ مفتی، صاحب باطن اور مستجاب الدعوات صوفی بزرگ تھے۔ وظائف ومراقبہ، درس وتدریس، وعظ ونصیحت، فتویٰ نویسی، نماز پنجگانہ کی امامت اور خطابت کے ساتھ کتابوں کی کتابت آپ کے مشاغل تھے۔ پُرتاثیر وعظ فرماتے، سارا وقت مسجد میں گذارتے اور لوگ آپ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔

آپ نے لوگوں کو اتباع شریعت، اخلاق حسنہ، محبت، سادگی وکفایت شعاری، غیر مسلموں سے رواداری، معاملات کی درستی، تقوی وپرہیزگاری، بدعات سے اجتناب، خلوص ومحبت، مسلم تشخص کا تحفظ، شعائر اسلام کی تعظیم، اللہ تعالیٰ ورسول اللہ ﷺ سے محبت اور پاکیزہ روحانی زندگی کا درس دیا۔ آپ نے معراج النبی اور میلاد النبی ﷺ کے عنوان سے اجلاس قائم کر کے سیرت رسول ﷺ کو اجاگر کیا۔

ہم عصر علماء وفضلاء:

یہ کھوج تو نہیں لگایا جا سکا کہ مفتی صاحب کا دینی وروحانی اور علمی امور میں استفادہ اور رابطہ اپنے معاصر کن علماء سے اور کیسے رہا تاہم جب آپ میانی میں مسند آرائے ارشاد تھے، برصغیر کے مختلف علاقوں میں درج ذیل معروف علماء مصروف کار رہتے تھے۔ درج ذیل فہرست ''تذکرۂ علماء اہل سنت وجماعت لاہور'' اور ''تذکار بگویہ'' سے تیار کی گئی ہے۔

مولانا محمد صدیقؒ لاہوری	(م ۱۱۹۳ھ)
مولانا غلام محمدؒ المعروف امام گاموں قادری لاہوری	(م ۱۲۴۲ھ)
علامہ قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی	(م ۱۲۲۵ھ)
مولانا حضرت شاہ عبداللہ المعروف شاہ غلام علیؒ دہلوی	(م ۱۲۴۰ھ)
مولانا علیم الدینؒ قنوجی	(م ۱۲۲۹ھ)
مولانا نعیم الدینؒ قنوجی	(م ۱۲۳۳ھ)
مولانا نور حیاتؒ بگوی، بانی خاندان بگویہ، بھیرہ	(م ۱۲۳۴ھ)
مولانا حسنؒ دین	(م ۱۲۳۶ھ)
مولانا صفی الدین المعروف صفی القدرؒ	(م ۱۲۳۶ھ)

مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۸ھ)

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ)

مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی (م ۱۲۴۲ھ)

علامہ بحرالعلوم عبدالعلی (م ۱۲۲۵ھ)

مولانا شیخ محمد رفیق (م ۱۲۲۸ھ)

مولانا حافظ روح اللہ لاہوری (م ۱۲۴۴ھ)

مولانا محمد ولی اللہ (م ۱۲۴۹ھ)

مولانا میاں محمد افضل (م ۱۲۵۱ھ)

قلمی کاوشیں:

مفتی صاحب انتھک اور محنتی آدمی تھے۔ آپ نے تدریسی تبلیغی اور اصلاحی سرگرمیوں کے ساتھ تحریر کی طرف بھی توجہ مبذول فرمائی۔ لیکن آپ کی اپنی کوئی تصنیف موجود نہیں۔ اگر تھی تو نذر زمانہ ہوگئی یا ہمیں دستیاب نہیں ہو پائی۔ یا شاید آپ کے نزدیک کسی نئی کاوش کی بجائے اسلاف کے علمی کارنامے محفوظ کرنا زیادہ اہم تھا۔ کیونکہ آج کی طرح وہ مشینی دور نہ تھا ہر کام ہاتھ سے کیا جاتا۔ علماء کی کتب کے تحفظ اور ضرورت پوری کرنے کا واحد طریقہ یہی تھا کہ ہاتھ سے لکھ کر ان کی نقول تیار کی جاتیں اور یہ کام بھی بطریق احسن علماء ہی کر سکتے تھے۔ چنانچہ مختلف علماء کے ہاتھ سے نقل کئے گئے کتب اسلاف کے کئی نسخے ملتے ہیں مفتی صاحب نے بھی یہی کیا۔ آپ کے خلوص ومحنت اور علوم اسلامیہ کی اشاعت وتحفظ کی علامت درج ذیل قلمی نسخے آپ کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔

(۱) **شرح وقایہ، عربی قلمی:** موضوع: فقہ

صفحات: ۶۸۴ مصنف : عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ

تسوید : حافظ مفتی شیخ عبداللہ میانوی

تاریخ تکمیل: بروز جمعرات ۲۸ ذی الحج ۱۲۱۷ھ

اس نسخہ کے اخیر میں لگائے گئے تین اضافی اوراق کے آخری صفحہ پر آپ نے خود اپنے چاروں صاحبزادوں کی تاریخ ہائے ولادت یوں درج کی ہیں (مفتی) غلام محمود ۱۲۱۸ھ۔ (مفتی) غلام محی الدین ذیقعد ۱۲۲۱ھ۔

(مفتی) محمد اسلم ذیقعد ۱۲۲۷ھ۔

(مفتی) سراج الدین محرم ۱۲۳۰ھ۔

بعد میں اسی صفحہ پر کسی صاحبزادے نے آپ [illegible] تاریخ وصال ۱۲۴۲ھ درج [illegible] ہے۔

(۲) شریفی شرح سراجی، عربی قلمی موضوع: فقہ

صفحات: ۱۴۶ تسوید: حافظ مفتی شیخ عبداللہ میانوی

تاریخ تکمیل: ۲ صفر ۱۲۲۵ھ

(۳) قدوری الجزء الاوّل، عربی قلمی موضوع: فقہ صفحات: ۲۲۲

تسوید: حافظ مفتی شیخ عبداللہ میانوی

تاریخ تکمیل: ۹ ربیع الثانی ۱۲۳۱ھ

اس کے پہلے صفحہ پر ان [illegible] الدہ [illegible] تاریخ وفات درج ہے

(۴) جامع الرموز، عربی قلمی، جلداول، دوم موضوع: فقہ

صفحات: ۱۰۴۰ تسوید: حافظ مفتی شیخ عبداللہ میانوی

تاریخ تکمیل: ۸ محرم الحرام ۱۲۳۲ھ

(۵) چلپی بر شرح وقایہ، عربی قلمی موضوع: فقہ

صفحات: ۷۲۲ تسوید: حافظ مفتی شیخ عبداللہ میانوی

تاریخ تکمیل: ۱۰ جمادی الثانی ۱۲۳۳ھ

(۶) مجموعہ کتب، عربی فارسی قلمی

(۱) شرح مائۃ عامل، فارسی

(۲) ہدایۃ النحو، عربی

تاریخ تکمیل: ۶ ربیع الثانی ۱۲۳۵ھ

(۳) شافیہ، عربی

تاریخ تکمیل: ۵ جمادی الاولی ۱۲۳۵ھ

(۴) مراح الارواح، عربی

صفحات: ۳۱۶

تسوید: مفتی حافظ شیخ عبداللہ میانوی

تاریخ تکمیل: ۸ ربیع الاوّل ۱۲۳۶ھ

اس [illegible]ر میں صفحہ ۱۰۴ پر اپنے ایک [illegible]تاذ کا نام شیخ محمد عمر لکھا ہے

(۷) طب اکبر، فارسی قلمی

صفحات: ۷۳۵

مصنف: میر محمد اکبر معروف بہ محمد شاہ ارزانی، معاصر اورنگ زیب عالم گیر

تسوید: حافظ مفتی شیخ عبداللہ میانوی

تاریخ تکمیل: ۸ رجب ۱۲۳۹ھ

(۸)

(الف)

خیالی، عربی، قلمی

(ب)

شرح عقائد، عربی قلمی صفحات: ۳۵۸

ناقل: مفتی حافظ شیخ عبداللہ میانوی

تاریخ تکمیل: ۲۷ شعبان ۱۲۴۰ھ

(۹) رسالہ مرغوب القلوب فی مبحث تنباکو عربی قلمی موضوع: فقہ

صفحات: ۶۰ مصنف: حافظ محمد عابد وزیر آبادی

تسوید: مفتی حافظ شیخ عبداللہ میانوی

تاریخ: ۲۹ شوال ۱۲۴۰ھ

اس جلد میں دیگر دس رسائل آپ کے صاحبزادے مفتی غلام محی الدین نقشبندی قادری میانوی کے نقل کردہ ہیں۔

(۱۰) قال اقول، عربی، قلمی

صفحات: ۱۲۴

تسوید : مفتی حافظ شیخ عبداللہ میانوی

تاریخ تکمیل: ۷ رجب ۱۲۴۱ھ

اس کے ساتھ کسی نامکمل کتاب کے ۱۰۰ صفحات بھی ہیں۔

(۱۱) میرایساغوجی ،عربی قلمی ، جلد اوّل موضوع: فقہ

صفحات : ۳۶ مصنف : اثیرالدین الابہری

تسوید : حافظ مفتی شیخ عبداللہ میانوی

تاریخ تکمیل: ۱۵ رجب ۱۲۴۱ھ

(۱۲) شرح قصیدۃ الخمریۃ النوریۃ، عربی، فارسی، قلمی موضوع: تصوف

صفحات : ۷۴۰

مصنف : ابوالفرح محمد فاضل الدین

تسوید نصف اوّل: حافظ مفتی شیخ عبداللہ میانوی

تاریخ تکمیل نصف اوّل: ۱۲۴۲ھ

ناقل موصوف کے وصال (۱۲۴۲ھ) کے بعد آپ کے صاحبزادے مفتی غلام محی الدین نقشبندی قادری میانوی نے نصف ثانی لکھ کر بروز جمعرات ۲۶ ربیع الثانی ۱۲۵۷ھ کو اسے مکمل کیا۔ اس میں چند اوراق مولوی شمس الدین خوشابی اور علاوء الدین صاحب کے نقل کردہ بھی ہیں۔

(۱۳) حاشیہ بخاری برشرح ملاّ ،عربی ، قلمی

صفحات: ۱۴

مصنف : سیدعلی بن سید محمد بخاری

تسوید : حافظ مفتی شیخ عبداللہ میانوی

بے شک یہ ساری کتابیں اب طبع ہو چکی ہوں مگر ہزاروں صفحات پر مشتمل ان قلمی نسخوں کی اپنی اہمیت ہے۔درس و تدریس ، امامت و خطابت ، وظائف و مراقبہ، دیگر دینی مصروفیات اور علائق دنیوی کے ساتھ یہ کارنامہ سرانجام دیا گیا۔ اس سے یہ اندازہ کرنا قطعاً مشکل نہیں کہ آپ نے کتنے خلوص و للّٰہیت سے لمحات زیست کو ترویج اسلام و علوم اسلامیہ کے لیے وقف کیے رکھا!

اولاد:

آپ کی شادی مفتی محمد اسماعیل کے پوتے محمد مسلم کی نواسی مسمات سید بی بی بنت شیخ احمد بن محمد اجمل ساکن جھاوریاں، سے انجام پائی۔ ان سے آپ کے چار بیٹے غلام محمود، غلام محی الدین، محمد اسلم اور سراج الدین اور دو بیٹیاں شرف بی بی اور جنت خاتون پیدا ہوئیں، آخرالذکر نے بروز اتوار ۲۲ ذیقعد ۱۲۷۴ھ کو وفات پائی شرف بی بی کی شادی حافظ غلام حسن بن نور محمد کے ساتھ موضع قمر تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم میں ہوئی۔ اور بروز منگل ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۷ھ کو وفات پائی۔ صاحبزادگان کے حالات آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

وصال:

مفتی صاحب نے اللہ کی رضا کے لیے حیات مستعار کے شب و روز خدمت دین کی نذر کئے۔ اور خلوص، تقویٰ، محبت دین، جذبہ، تحفظ دین وعلم دین الغرض اپنا کل سرمایہ حیات پوری دیانت داری سے اپنے بیٹوں کو اس طرح منتقل کیا کہ زمانہ معترف ہے کہ جانشین حقیقتاً اسی منصب کے حق دار تھے۔

۱۲۴۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اور اسلام کے اس بطل جلیل کو میانی سے مغرب میں واقع قبرستان شاہ شکیرہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ (۱۱)

مولانا مفتی غلام محمود میانوی

ولادت و تعلیم:

آپ مفتی حافظ شیخ عبداللہ میانوی کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۱۸ھ میں قصبہ نمک میانی ضلع سرگودھا میں ہوئی۔ (۱۲)

بچپن میں قرآن کریم پڑھنے کے بعد اپنے والد گرامی سے تعلیم حاصل کی۔ ان کے علاوہ مولانا محمد زمان خوشابی اور مولانا میاں غلام نبی جوہری سے علم حاصل کیا۔ اس سے زیادہ آپ کی شادی، اولاد اور وفات وغیرہ سے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا شاید نوجوانی ہی میں وفات پا گئے ہوں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ میانوی، عبدالرحمن، مفتی، فتاوی فصول عمادی، مخطوطہ، یہ قلمی کتاب آپ کے کتب خانہ واقع جامع مسجد

مفتیاں والی میانی میں محفوظ ہے۔

۲۔خزانۃ المفتین ،جلد اول، مخطوطہ، یہ قلمی کتاب آپ کے کتبخانہ واقع جامع مسجد مفتیاں والی میانی میں محفوظ ہے۔

۳۔فتاوی حسب المفتین ، یہ قلمی کتاب آپکے کتب خانہ واقع جامع مسجد مفتیاں والی میانی میں محفوظ ہے۔

۴۔یہ اصل خطوط صاحب زادہ مولانا مفتی محمد شفیق میانوی کے پاس محفوظ ہیں۔

۵۔یہ حالات آپ کے خاندانی شجرہ قلمی فارسی اور چند بوسیدہ قلمی اوراق سے ماخوذ ہیں۔

۶۔یہ حالات آپ کے خاندانی شجرہ قلمی سے ماخوذ ہیں۔

۷۔یہ حالات آپ کے خاندانی شجرہ قلمی سے ماخوذ ہیں۔

۸۔میانوی، شیخ عبداللہ، مولانا مفتی، مراح الارواح قلمی ص ۱۰۴۔نقل از دست مفتی شیخ عبداللہ، یہ قلمی کتاب آپ کے کتب خانہ واقع جامع مسجد مفتیاں والی میانی میں محفوظ ہے......

۹۔کشف الملفوظ قلمی ص ۵۶۰۔منقول از قلم مفتی سراج الدین بن مفتی شیخ عبداللہ میانوی

10۔ یہ تمام حالات آپ کے خاندانی شجرہ قلمی، نیز آپ کی اور آپ کے صاحبزادگان کی قلمی تحریروں سے ماخوذ ہیں۔

۱۱۔میانوی، شیخ عبداللہ، مولانا مفتی،تسوید شرح وقایہ مخطوطہ

۱۲۔شرح وقایہ قلمی ۶۸۴، منقول از قلم مفتی حافظ شیخ عبداللہ میانوی، یہ قلمی کتاب آپ کے کتب خانہ واقع جامع مسجد مفتیاں والی میانی میں محفوظ ہے۔

از نقش ونگار درو دیوار شکستہ   آثار پدیدست صنادید امم را

دفتر غفران

شرح قصیدہ نعمان

☆

تالیف: حکیم سید تجمل حسین مشھدی

باہتمام: خانقاہ سلطانیہ ☆ گلشنِ عظیم جہلم

دینی مدارس کی مرکزی تعلیمی دھارے

میں شمولیت تجزیہ وتجاویز

(۲)

علامہ محمد خلیل الرحمن قادری

۲۔سرکاری میڈیکل کالج اورانجینئرنگ یونیورسٹیز میں داخلے کے لیے میرٹ ہوتا ہے وہ سرکاری کالجز جہاں ایف ایس سی پری میڈیکل اور پری انجینئرنگ کی معیاری تعلیم دی جاتی ہے ان کے بھی چندفیصد طلباء اس میرٹ پر پورے اترتے ہیں۔اس کے بعد چندنجی صدفی کالجز میں کھپ جاتے ہیں اوران کے والدین کوبھی لاکھوں روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔اس میں مدارس کواس مشقت میں ڈالنے کی کیا بنتی ہے کہ وہ ان کے لیے چھ سالہ نصابات کوبھی دوسالہ نصاب میں بدلیں اور طلباء کوپری میڈیکل اور پری انجینئرنگ کی تعلیم بھی دیں جس کے نتیجے میں شایدان کے چندفیصد طلباء تو میرٹ پرداخلہ لینے میں کامیاب ہوجائیں لیکن اس خصوصی اور پیشہ وارانہ تعلیم کے تمام مراحل میں ان کا کوئی کردارسرے سے ہی نہ ہو۔یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ مدارس میں حصول علم کے لیے داخل ہونے والوں کی اکثریت معاشی طور پرکمزور طبقے سے ہوتی ہے لہذا اگرانہی سرکاری میڈیکل کالجز یاانجینئرنگ یونیورسٹیز میں داخلہ مل بھی جائے توکیاوہ ان کے اخراجات کابوجھ اٹھالیں گے؟

الغرض یہ ناقابل عمل تجویز ہےاورمدارس کی کوششوں کارخ موڑنے کے مترادف ہے۔ہمارے مدارس سے فارغ التحصیل متعدد طلباء زندگی کے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں نمایاں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔اب یونیورسٹیز کوبھی علوم عربی اورعلوم اسلامیہ میں ہائرایجوکیشن کی سطح پرتدریس کے لیے اساتذہ انہی مدارس سے میسرآرہے ہیں۔کئی وکالت کررہے ہیں اورکئی افواج پاکستان میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔بعض ایک توسی ایس ایس میں بھی کامیاب ہوئے اوربیوروکریٹ بنے۔سافٹ ویئرانجینئرنگ میں بھی آگے بڑھے۔اس میں سب سے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ مدارس

سے فراغت کے بعد وہ متنوع تعلیم کو مزید کتنا وقت دے سکتے ہیں جبکہ مدرسہ کے آخری سالوں میں ہی وہ عملی زندگی کا آغاز کرنے کے لیے بیتاب ہوتے ہیں کیونکہ ان کے والدین کی بھی ان سے یہی توقع ہوتی ہے۔

دینی مدارس کو مرکزی تعلیمی دھارے میں لانا مسئلے کا حل نہیں دینی مدارس اصلاح اور تبدیلی کا فیصلہ خود کریں اس کے لیے تجاویز پیش خدمت ہیں

مضمون سابق میں علامہ خلیل الرحمن قادری صاحب کی تجاویز اچھی اور قابل غور ہیں لیکن ہم اس موضوع کو ایک دوسرے پہلو سے دیکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اصل مسئلہ دینی مدارس کو تعلیم کے مرکزی تعلیمی دھارے میں لانے (Main streaming) کا نہیں ہے بلکہ وحدت تعلیم کا ہے یعنی جدید تعلیم مذہبی تعلیم و تربیت سے عاری ہے اور مغربی فکر و تہذیب پر مبنی ہے اور دینی مدارس دنیاوی وعصری علوم سے اعتناء نہیں کرتے ۔کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ان دونوں تعلیم دھاروں کی خامیوں کو دور کرکے (یعنی ان کی ثنویت یا Dichotomy ختم کرکے)ان کو ایک موحد نظام تعلیم میں سمویا جائے۔

اگر بات صرف دینی مدارس کی مین اسٹریمنگ کی جائے کہ انہیں موجودہ جدید تعلیمی دھارے میں سمویا جائے تو معاف کیجیے گا تو یہ سیدھا سادہ دینی مدارس کے خاتمے کا پروگرام ہے کیونکہ جدید تعلیم مسلمہ طور پر مغرب زدہ ہے۔حکمرانوں اور بیوروکریسی کو اپنی تعلیم و تربیت، مفادات اور مغرب زدگی کی بناء پر دینی تعلیم اور اس کے فروغ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے بلکہ ماضی میں اس طرح کی جتنی کوششیں بھی ہوئیں اس کے نتیجے میں دینی مدارس ختم ہوگئے یا برائے نام کاغذوں میں رہ گئے (جس کی ایک مثال تو جامعہ عباسیہ بہاولپور کی ہے اور پنجاب کے محکمہ اوقاف کے دینی مدارس کا ہمارا مشاہدہ بھی یہی ہے)لہذا دینی مدارس کی مین اسٹریمنگ کا نتیجہ حتماً یہی نکلے گا کہ دینی مدارس بتدریج غیر موثر اور غیر فعال ہوتے چلے جائیں گے اور یہی ہمارے حکمرانوں کے آقایان ولی نعمت یعنی مغرب وامریکہ چاہتا ہے۔

اس کا حل یہ ہے کہ دینی مدارس اپنی اصلاح خود کریں، اپنا نظام خود بدلیں اور جہاں ضرورت ہو وہاں متحد ہوکر اور دباؤ ڈال کر حکومت سے اپنے مطالبے منوائیں اور کسی مغرب زدہ مین اسٹریم کا حصہ بننے کی بجائے خود مین اسٹریم بن جائیں۔ہم قارئین کو یاد دلائیں کہ ماضی قریب کے ہمارے ایک فاضل بزرگ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے برصغیر کے نظام تعلیم پر اپنی معرکہ الآراء کتاب کے

آخر میں وحدت تعلیم کا یہی تصور پیش کیا ہے کہ ہمارے دینی مدارس کو چاہیے کہ ملا نظام الدین سہالویؒ والے درس نظامی کو اپنائیں (کہ برصغیر سے مسلم حکومت کے خاتمے اور انگریزوں کے ہاتھوں مسلم نظام تعلیم کے انہدام کے بعد دیوبند ماڈل نے جو نظام تعلیم وضع کیا وہ ایک وقتی مجبوری تھی) ملا نظام الدینؒ کا تجویز کردہ نصاب (جنہوں نے نہیں دیکھا وہ ہماری کتاب ''ہمارا دینی نظام تعلیم'' کے شروع میں دیکھ لیں) دینی علوم کے ماہرین اور متخصصین تیار کرنے کا نصاب نہیں تھا بلکہ معاشرے اور ریاست کے لیے کارکن تیار کرنے کا نظام تھا جس میں مذہبی علوم (یعنی قرآن وحدیث وغیرہ) کا حصہ بہت تھوڑا تھا۔ یہ دراصل ''مین اسٹریم'' کا نصاب تھا اس کے بعد کچھ طلباء مذہبی علوم میں تخصص بھی کر لیتے تھے۔ اس وقت بھی یہ دونوں باتیں ممکن ہیں یعنی مدارس اگر چاہیں تو یہ کہ وہ خود مرکزی تعلیمی دھارا بن جائیں اور مسلم معاشرے اور ریاست کو چلانے والے کارکن بھی پیدا کریں اور دین کے متخصص و ماہر علماء بھی تیار کریں۔ اس کے لیے ہماری تجاویز درج ذیل ہیں:

۱۔ دینی مدارس اپنے مقاصد تعلیم میں تحریر اطے کریں کہ انہوں نے صرف مدارس اور مساجد کے لیے متخصص علماء ہی تیار نہیں کرنے بلکہ مسلم معاشرے اور اور ریاست کو چلانے کے لیے افراد کار بھی تیار کرنے ہیں اور عامۃ المسلمین کی دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی کرنا ہے۔

۲۔ دینی مدارس صرف مڈل پاس طلبہ کو داخلہ دیں اور بچوں کی مڈل تک تعلیم کا انتظام خود کریں اور اس میں بچوں کو جدید علوم کے ساتھ دینی علوم کی خصوصی تعلیم بھی دیں اور ان جماعتوں کی نصابی کتابیں خود تیار کرائیں اور بچوں کی اسلامی تربیت بھی کریں۔

۳۔ دینی مدارس حکومت سے یہ مطالبہ منوائیں کہ میٹرک اور ایف اے میں جس طرح سائنس، آرٹس اور کمپیوٹر وغیرہ کے تخصص اس وقت منظور شدہ ہیں، اسی طرح علوم اسلامیہ کا تخصص بھی وہ حکومت سے (یا انٹر بورڈ کمیٹی سے) منظور کرائیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جدید علوم کا بوجھ میٹرک ایف اے میں اسلامی علوم کے طلبہ پر کم ہو جائے گا۔ نیز وہ یہ کریں کہ جدید علوم کی کتابیں بھی خود تیار کرائیں تا کہ طلبہ مغرب زدگی سے بچ سکیں۔ یاد رہے کہ اس وقت بعض حکومتی بورڈز نے ایف اے میں 'درس نظامی گروپ' رکھا ہوا ہے۔ گویا مدارس کو صرف میٹرک کے لیے اس کا مطالبہ کرنا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دینی مدارس مل کر اپنا ایک ثانوی واعلی ثانوی تعلیمی بورڈ منظور کرالیں۔ یہ بالکل ممکن ہے کیونکہ دو پرائیویٹ بورڈ پہلے منظور ہو چکے ہیں اور علماء کرام اگر مل کر فیصلہ کر لیں تو قوم ان کو ضروری مالیات بھی

Scanned with CamScanner

فراہم کردے گی' ان شاء اللہ۔

۴۔ باقی کے چار سالوں میں' جن میں اس وقت عالیہ اور عالمیہ ہوتا ہے' جسے ایچ ای سی' بی اے اور ایم اے (یا چار سالہ بی ایس آنرز) کے برابر تسلیم کرتی ہے' ان میں دینی مدارس دو راستے بیک وقت اختیار کر سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے طلبہ علوم اسلامیہ میں تخصص کریں اور دوسرے یہ کہ عمرانی علوم میں تخصص کریں۔ ہم زور دے کر کہتے ہیں کہ عمرانی علوم میں دینی تناظر میں تخصص گویا علوم اسلامیہ میں ہی تخصص ہے کیونکہ معاشیات' سیاسیات' نفسیات' فلسفہ' تاریخ' تعلیم' قانون وغیرہ کا اسلامی تناظر میں مطالعہ ہماری رائے میں ہماری علمی روایت بھی ہے اور اس وقت ہمارے معاشرے کی ایک شرعی ضرورت بھی ہے۔ اور ایف اے میں چونکہ عمرانی علوم کا ایک مضمون ان کے لیے لازمی ہوتا ہے تو وہ اس مضمون میں اسلامی تناظر میں بی اے اور ایم اے (چار سالہ بی ایس آنرز) آسانی سے کر سکیں گے اور ملک وقوم کے علاوہ اسلامی علوم کی بھی خدمت کریں گے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ مدارس اس مضمون کی نصابی کتابیں خود تیار کرائیں تاکہ ان کے طلبہ مغرب زدگی کے زہر سے بچ سکیں اور عمرانی علوم کا مطالعہ اسلامی تناظر میں کر سکیں۔

۵۔ ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کا انتظام بھی بعض بڑے مدارس خود کریں اور یہ نہ صرف اسلامی علوم میں ہوں بلکہ عمرانی علوم (مع اسلامی تناظر) میں بھی ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دینی مدارس مل کر ایک یونیورسٹی کا چارٹر لے لیں اور سارے مدارس کا اس سے الحاق کر لیں۔ ہم دینی مدارس کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ ممکن ہے اور اگر وہ مل جائیں اور متحد ہو کر قوم سے اس غرض سے مادی وسائل کی اپیل کریں تو ہمیں یقین ہے قوم ان کو مایوس نہیں کرے گی۔

۶۔ اگر دینی مدارس اس طرف بڑھنے کا فیصلہ کریں تو تحریک اصلاح تعلیم کے ماہرین ہر مرحلے پر ان کی بلا معاوضہ خدمت کے لیے تیار ہوں گے' ان شاء اللہ۔

اس طریقے سے دینی مدارس کو نہ تو موجودہ جدید تعلیمی دھارے میں ضم ہونا پڑے گا اور نہ ان کا وجود خطرے میں پڑے گا بلکہ وہ اپنی آزادی بھی برقرار رکھیں گے اور قوم کو نہ صرف دینی علوم کے متخصص اور ماہر علماء مہیا کریں گے بلکہ ان کو عمرانی علوم کے ماہرین بھی تیار کر کے دیں گے جو معاشرے اور ریاست کو اسلام کے مطابق چلانے میں اہم کردار ادا کریں گے' ان شاء اللہ۔

مصیبت کے وقت تو اللہ کا پتہ لگا لیتا ہے، جب وہ ختم ہوئی تو کہتا ہے راستہ کدھر ہے

Scanned with CamScanner

حضرت امام شافعی کا ایک اور دور ابتلاء

(ساتویں قسط)

ڈاکٹر اختر حسین عزمی

(امام) شافعی کے بارے میں یہ شہرہ عام تھا کہ وہ اولاد علیؓ سے والہانہ محبت رکھتے ہیں اور اپنی حق پسند اور آزاد طبیعت کے باعث انھوں نے اس بات کو کبھی چھپایا نہ تھا۔ ان کا یہ شعر تو ان کے دلی جذبات اور حب اہل بیت کا آئینہ دار تھا کہ:

ان کان رفضا حب اہل محمد فلیشھد الثقلان انی رافضی

''اگر اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت رافضیت ہے تو فرشتوں کو چاہیے کہ وہ گواہی دیں کہ میں رافضی ہوں''۔

اہل بیت کی محبت ہر مسلمان کے لیے ایمان کا تقاضا ہے اور یہی مسلک امام شافعیؒ کا بھی تھا لیکن والی یمن نے اس مسئلے کو سیاسی رنگ دے دیا۔ ہارون الرشید کو جس فرد کے بارے میں بھی یہ معلوم ہوتا کہ وہ ان کے خلاف برپا خفیہ علوی تحریک سے وابستہ ہے، وہ اس کا سر اس کے شانوں پر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے والی یمن کی نگاہیں اس نکتے پر مرکوز ہوگئیں کہ امام شافعیؒ کی اہل بیت سے عقیدت کے مذہبی جذبات کو سیاسی رنگ دے کر ہارون الرشید کی نگاہ میں اسے خطرناک بنا کر پیش کیا جائے۔

والی یمن کافی عرصے سے اس منصوبے کے ایک ایک پہلو پر غور کرتا رہا۔ وہ رات رات بھر جاگ کر اپنے منصوبے کے مختلف خاکوں میں اپنی عیاریوں سے رنگ بھرتا رہا۔ حیرت انگیز بات تھی کہ اس نے اپنے منصوبے میں کسی وفادار مشیر کو بھی شریک نہیں کیا تھا۔ اس کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے سائے سے بھی دور رہتا تھا اور رات کے سناٹے میں ایک بند کمرے میں کاغذات پر اپنی

Scanned with CamScanner

سازشوں کو منتقل کرتا رہتا تھا۔اور جب ان میں کوئی کمی پاتا تھا تو سازش کا سارا دفتر نذر آتش کر دیتا۔بالآخر منصوبے کی تمام جزئیات کے بارے جب وہ یکسو ہو گیا تو اس نے نصف شب کی تاریکی میں اپنے خاص دربان کو اپنے خلوت کدے میں طلب کیا اور کہا:

''تم اسی وقت کاتب (سیکرٹری) کے گھر پہنچو۔اگر وہ سو رہا ہو تو اسے نیند کی وادیوں میں سے کھینچ کر میرے روبرو حاضر کرو۔''

مسلح دربان لرزتا ہوا والی یمن کے خلوت کدے سے باہر آیا اور فوراً ہی ایک برق رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر سرکاری کاتب کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔اور کچھ ہی دیر بعد کاتب اپنے حاکم کے سامنے اس طرح دست بستہ کھڑا تھا کہ جسم کے ساتھ اس کی روح بھی لرز رہی تھی۔والی یمن کے دفتر کے سربراہ کی حیثیت سے ایک طویل ملازمت کے دوران یہ پہلا موقع تھا کہ والی یمن نے اسے رات کے اندھیرے میں ہنگامی طور پر طلب کیا تھا۔سرکاری کاتب صورتحال کی سنگینی کو تو سمجھ چکا تھا مگر اسے حاکم کے حضور لب کشائی کی جرات نہ تھی۔

''سنو!اور پورے ہوش وحواس کے ساتھ سنو''۔والی یمن کی ہیبت ناک آواز کمرے میں گونجی۔

''میں امیر المومنین کے نام ایک اہم سرکاری خط ارسال کرنا چاہتا ہوں۔اس خط کے ایک ایک حرف کی قیمت تمھاری زندگی سے بھی زیادہ ہے۔''یہ کہہ کر والی یمن نے سرکاری کاتب کے کانپتے ہوئے جسم پر نظر ڈالی۔خوف ودہشت کی فضا اب اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔کاتب چند لمحوں تک کسی نہ کسی طرح برداشت کرتا رہا لیکن پھر اس کے پاؤں جواب دے گئے اور وہ لڑکھڑا کر پختہ فرش پر گر پڑا۔خلوت کدے میں والی یمن کا مغرور قہقہہ گونج اٹھا:

''میں اپنے غلاموں سے اسی وفاداری کی توقع رکھتا ہوں۔اپنے قدموں پر دوبارہ کھڑے ہونے کی کوشش کرو''والی یمن کی سفاک آواز ابھری۔''تم اس حقیقت سے بھی آگاہ ہو کہ میں نمک خواروں پر کس قدر مہربان رہتا ہوں۔میرے قہر کا مظاہرہ تو صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو حکومت کے کسی راز کو فاش کر دیتے ہیں''۔

کاتب نے والی یمن کے الفاظ سنے اور پھر اپنی شکستہ اور منتشر قوت ارادی کو سمیٹ کر اٹھنے لگا۔

''تم شاید میرے حضور کھڑے نہ رہ سکو۔مجبوراً یہ بے ادبی اور گستاخی بھی گوارا ہے۔تم سامنے والی نشست پر بیٹھ جاؤ اور غور سے میری باتیں سنو کہ میں نے رات کے پچھلے پہر تمھیں کیوں بلایا ہے۔''

کاتب کانپتا ہوا اس کرسی پر بیٹھ گیا جو خلوت کدے کے ایک گوشے میں رکھی ہوئی تھی۔

''وہ خط جو ابھی کچھ دیر بعد تحریر کرو گے' ایک سربستہ راز ہے۔ کاغذ پر منتقل ہونے کے باوجود تمھارے سینے میں اس وقت تک محفوظ رہے گا جب تک تم زیر زمین نہیں چلے جاؤ گے۔'' یہ کہتے ہوئے والی یمن کے چہرے کی سفاکی اور خشونت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ آمریت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسان نے اثبات میں گردن ہلائی اور پھر اپنی وفاداری وغلامی کے اظہار کے لیے گردن جھکا دی۔

''اگر یہ راز تمھارے ہونٹوں کی قید سے آزاد ہوا تو اس بددیانتی کی سزا بھی بڑی عجیب ہو گی۔ میں براہ راست تمھیں قتل نہیں کروں گا۔ تم پر موت اس طرح مسلط ہو جائے گی کہ زندہ رہتے ہوئے بھی تمھیں ہر روز اپنے عالم نزع کا احساس ہو گا۔ پہلے تمھاری بیوی کی سانس بند کی جائیں گی پھر تمھارے بچوں کو خون میں نہلایا جائے گا......''

کسی بھی حکمران کی گفتگو میں مداخلت کرنا ایک سنگین جرم اور گستاخی تصور کیا جاتا ہے لیکن سرکاری کاتب اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا اور بے اختیار بول اٹھا:

''میرا ماضی گواہ ہے کہ میں سرکار کے نمک خواروں میں سے ہوں۔ مستقبل میں بھی میرے گلے میں آپ ہی کا طوق غلامی نظر آئے گا۔ اگر بے اعتبار ٹھہرا تو آپ کے حلقہ اثر سے نکل کر کہاں جاؤں گا۔'' کاتب کی زبان سے ایک ایک لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہا تھا۔ والی یمن کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ کھیلنے لگی مگر ایسے جیسے کوئی موت ہنس رہی ہو۔ پھر اس نے وہ خط لکھنے کا حکم دیا۔

''خاندان بنو عباس کے عظیم خلیفہ ہارون الرشید کے نام ایک خادم کا مکتوب جسے ولایت یمن کے اعزاز سے شرف یاب کیا گیا۔ امیر المومنین پر خدا کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں اور ابن مہدی کے دشمنوں پر ہلاکت وقہر کا آسمان ٹوٹے۔ خدا خلیفہ وقت کے مورث اعلی ابو جعفر منصور کی قبر کو روشن کرے کہ ان کی بے پناہ قوت وذہانت نے علویوں کے ہر دعوے کو باطل ثابت کیا۔ حضور کے جاسوسوں اور مخبروں نے مجھے جو اطلاعات فراہم کی ہیں ان کے مطابق اس زمین پر علویوں کے لیے اب کوئی پناہ گاہ موجود نہیں۔ مگر اس نمک خوار کو باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ابھی یہ تحریک مکمل طور پر دفن نہیں ہوئی ہے۔ خلافت عباسیہ کے یہ بدخواہ زیر زمین رہ کر فتنوں کی آبیاری کر رہے ہیں۔ امیر المومنین کو اپنے اس وفادار خادم کی اس بات پر یقین کر لینا چاہیے کہ یہاں علوی تحریک کے

نوسر برآوردہ آدمی موجود ہیں جنھیں شافع مطلبی کا ایک چھوکرا مسلسل گمراہ کررہا ہے اور اب صورتحال یہ ہے کہ خلافت عباسیہ کے خلاف یہ نفرت بند کمروں سے نکل کر شاہراہوں تک پہنچنے والی ہے''۔

اتنا کہہ کر والی یمن خاموش ہوگیا۔اس کا عیار ذہن اپنے منصوبے کے دھندلے خاکوں میں مزید رنگ بھرنے کے متعلق سوچ رہا تھا۔محرر کا قلم بھی رک گیا اور خلوت کدے میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ کچھ دیر بعد والی یمن کے ہونٹوں کو پھر جنبش ہوئی اور محرر کا قلم روانی کے ساتھ چلنے لگا۔

''مجھے اندیشہ ہی نہیں یقین ہے کہ یہ لوگ ایک دن ضرور آمادہ پیکار ہونگے۔ابھی یہ تمام افراد بڑی رازداری کے ساتھ متحد ہورہے ہیں اور اس لمحہ خاص کا انتظار کررہے ہیں جب خلافت عباسیہ کی بنیادوں پر لگائی جانے والی ضرب کارگر ثابت ہوسکے۔یہ سب ذہین وعیار لوگ ہیں''۔

یہ کہہ کر والی یمن خاموش ہوگیا۔وہ ٹہلتا ہوا کاتب کے سر پر کھڑا ہوکر تحریر کو پڑھنے لگا اور کچھ دیر کے توقف کے بعد پھر بولنے لگا:

''اب میں اس مطلبی ہاشمی نوجوان کی فتنہ پردازیوں کا تفصیلی ذکر کرتا ہوں جو اس تحریک بغاوت میں پس پردہ رہ کر اس تحریک کے جسم میں دماغ کا کام کررہا ہے۔اس کا نام محمد بن ادریس ہے اور عام طور پر شافعی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ایک بار جب میں کسی سرکاری کام سے مکہ گیا تو کچھ معززین شہر نے اس نوجوان کی مجھ سے سفارش کی۔اس وقت یہ فاقہ کشی کی زندگی گزار رہا تھا۔میرا خیال تھا کہ عامل نجران کا عہدہ اسے احسان شناس بنادے گا۔مال ودولت اور اقتدار کی لذتوں میں پڑکر وہ بغاوت وکش مکش کے خارزار سے کترانے لگے گا۔اس سوچ کے تحت میں نے عامل نجران کا عہدہ دے کر اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کرنا چاہا لیکن میرے تمام اندازے غلط ثابت آئے۔

یہ قریش زادہ مالی آسودگی پاتے ہی کچھ اور سرکش ہوگیا۔اب اس کی کج روی کا یہ عالم ہے کہ انتظامی امور کے سلسلے میں نہ تو میرا حکم مانتا ہے اور نہ ہی میری پابندیوں کو خاطر میں لاتا ہے۔الٹا عوام الناس کا ہمدرد بن کر انھیں میرے خلاف اکساتا رہتا ہے۔

امیرالمومنین نے مجھ ناتواں کو جو طاقت بخشتی ہے،میں اسی طاقت کے ذریعے شافعی کو صفحہ ہستی سے مٹا سکتا تھا مگر میں اپنے ارادے سے صرف اس لیے باز رہا کہ اس قریش زادے کے قتل کے بعد باغیانہ تحریک کے کئی گوشے بے نقاب ہونے سے رہ جاتے۔میں نے شافعی کی گستاخیاں صرف خلافت عباسیہ کی خاطر برداشت کی ہیں تاکہ یہ خوفناک ذہن رکھنے والا مجرم مکمل طور پر روشنی

میں آ جائے۔''

اتنا کہہ کر والی یمن ایک بار پھر خاموش ہو گیا اور کاتب کی طرف دیکھنے لگا جو سر جھکائے حکم کی تعمیل میں مصروف تھا۔ اسے اتنی تو خبر تھی کہ یہ سب کچھ عامل نجران کے خلاف لکھا جا رہا ہے مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ شافعی کون ہے اور واقعتاً وہ مجرم ہے یا اسے جبراً کھینچ کر سیاست کے مقتل کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ اس لمحاتی وقفے میں والی یمن کی پیشانی پر فکر و تشویش کی کئی علامتیں ابھر کر ڈوب چکی تھیں۔ اس کا غبار آلود ذہن شافعیؒ کے لباس تقدس کو مزید داغدار کرنے کے لیے کذب و افترا کے نئے جال بن رہا تھا۔ آخر کچھ دیر بعد والی یمن کی آواز گونجی:

''امیر المومنین آپ اس قریش زادے محمد بن ادریس سے واقف نہیں، وہ ایسا فصیح البیان ہے کہ اگر آلام و مصائب کی تعریف کرنے پر آ جائے تو اہل دنیا کیف و نشاط کو ترک کر کے رنج و الم کو گلے لگا لیں۔ وہ ایسا بلیغ اللسان ہے کہ عرب کے برگزیدہ ادیب شاعر بھی اس کے سامنے عجمی (گونگے) نظر آتے ہیں۔ وہ ایسا منطقی ہے کہ اگر کسی مجمع کے سامنے دن کو رات کہنے لگے تو ہجوم انسانی اپنی گردنیں جھکا لے اور کسی شخص میں اتنی جرات نہ ہو کہ وہ اس کی بات جھٹلانے کے لیے لب ہلا سکے۔ اس کی تقریروں نے بے شمار انسانوں کو مسحور کر دیا ہے۔ غرضیکہ وہ لوگوں کے ذہنوں کو اپنی مٹھی میں لینے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتا ہے۔ حضور والا! اس نکتے پر توجہ فرمائیں کہ شافعی کی زبان میں وہ جراحت ہے جو ایک سپاہی کی تلوار کو بھی میسر نہیں۔ وہ تنہا ایک فوج کا کردار انجام دے رہا ہے اور اپنے الفاظ سے آپ کی خلافت کے عقیدت مندوں کو بے دریغ قتل کر رہا ہے۔ اگر محمد بن ادریس کو نہ روکا گیا تو اس گناہ گار کے خیال کے مطابق خوفناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ خدا امیر المومنین کے جلال کو حاسدین کی نظر سے محفوظ رکھے اور قصر عباسیہ کے بلند میناروں پر کبھی اندیشہ زوال سایہ فگن نہ ہو۔''

جب خط مکمل ہو گیا تو والی یمن نے چند لمحے کاتب کی طرف دیکھا اور پھر خود کلامی کے انداز میں کہنے لگا: ''اب والی یمن کے نافرمان کو خونیں موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔'' جابر حاکم اپنے خفیہ پیغام کو کاغذ پر منتقل کرانے کے بعد سرکاری کاتب سے مخاطب ہوا:

''کیا کوئی بچا سکتا ہے؟''

اگرچہ والی یمن اپنے منصوبے کی کامیابی پر سو فیصد یقین رکھتا تھا لیکن پھر بھی کسی نامعلوم اندیشے کے زیر اثر وہ ایک معمولی ملازم سے سوال کر رہا تھا۔

''ہرگز نہیں'' کاتب دہشت زدہ لہجے میں بولا ''اگر اس زمین پر آپ کسی کو امان نہیں دیتے تو پھر ساری دنیا میں اس کے لیے کوئی پناہ گاہ موجود نہیں۔'' کاتب والی یمن کے روبرو بالکل بے دست و پا تھا۔ وہ حاکم کی رائے سے اختلاف کر کے اپنے قتل نامے پر دستخط نہیں کر سکتا تھا۔

قصر عباسی کے در و دیوار نے دیکھا کہ حکومت کا ایک کارندہ اپنے امیر کو کچھ کاغذات منتقل کر رہا ہے۔ یہ بڑی سنگین گھڑی تھی۔ ہارون الرشید والی یمن کی بھیجی ہوئی خفیہ دستاویز کا خود مطالعہ کر رہا تھا۔ اپنے آباؤ اجداد کی شان میں تعریفی کلمات پڑھ کر اس کے چہرے پر احساس غرور کی ایک روشن علامت ابھری اور سرخوشی کا ایک تیز رنگ بکھر گیا۔ مگر یہ حالت سکون بہت عارضی تھی۔ یکایک وہ اپنی نشست پر پہلو بدلنے لگا۔ پھر چہرے پر شدید اضطراب کی جھلک نمایاں ہونے لگی۔ آخری سطر پڑھتے پڑھتے عباسی خلیفہ کا اضطراب غضب میں تبدیل ہو گیا۔ یہاں تک کہ ہارون الرشید نے والی یمن کے ارسال کردہ مسودے کو فرش پر پھینک دیا۔

''کیا عقل کے ان دشمنوں کو اپنے پیشرووں کا حشر یاد نہیں؟'' حالت غضب میں خلیفہ کی آواز اتنی بلند ہو گئی تھی کہ قاصد کو محل کے در و بام لرزتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

اس سے پہلے بھی خلیفہ ہارون الرشید تک والی یمن نے درپردہ خبر پہنچا دی تھی کہ اہل مکہ نے یمن سے ایک علوی زادے کو بلایا ہے پھر دوسری اطلاع یہ فراہم کی گئی کہ وہ علوی زادہ مکہ معظّمہ پہنچ گیا ہے۔ اس کے آتے ہی قریش کی ایک جماعت اپنے سیاسی عزائم لے کر شخص مذکورہ کے گرد جمع ہونے لگی ہے اور اب والی یمن کے براہ راست مکتوب نے عباسی خلیفہ کے مزاج کو برہم کر دیا اور وہ انتہائی قہر کے عالم میں اپنے وزیر یحیی بن خالد برمکی سے مخاطب ہوا:

''عامل مکہ کو لکھو کہ اس حکم کی فوراً تعمیل کی جائے۔ وہ تین سو قریش جو سلطنت عباسیہ کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں انھیں اس حالت میں بغداد بھیجا جائے کہ ان کے ہاتھ گردنوں سے بندھے ہوئے ہوں''۔

دسواں قیدی

رات گئے کوتوال شہر نے چند سپاہیوں کے ہمراہ فاطمہ بنت عبداللہ کے مکان پر دستک دی۔

''کون؟''

تھوڑی دیر کے توقف کے بعد فاطمہ بنت عبداللہ نے دریافت کیا۔

''کوتوال شہر ہوں۔ عامل مکہ نے ضروری کام کے سلسلہ میں محمد بن ادریس سے ملنے کے لیے بھیجا ہے۔''

''میں اسے بھیجتی ہوں۔''

محمد بن ادریس کی ماں نے کہا۔ پھر اس نے اپنے بیٹے کو جگایا۔ جب وہ دروازے پر آیا تو کوتوال نے اسے کہا:

''آپ کو خلیفہ کے حکم کے بموجب گرفتار کیا جاتا ہے۔''

''کس جرم کی پاداش میں؟'' محمد بن ادریس شافعی نے پوچھا۔

''خلیفہ کے خلاف بغاوت کے الزام میں۔'' کوتوال نے مختصر جواب دیا اور دو سپاہیوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جن کے ہاتھوں میں زنجیریں تھیں۔

''لیکن میں نے تو کسی بغاوت میں حصہ نہیں لیا''۔ محمد بن ادریس نے آہنی زنجیریں پہنتے ہوئے کہا۔

''بیٹا اگر تم سچے ہو تو تمھیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ کسی سے رحم کی بھیک مانگنے کی۔ یہ لوہے کی زنجیریں تو ہمیشہ اہل حق کا زیور رہی ہیں۔'' پیچھے سے اس کی والدہ کی آواز آئی۔

''ماں آپ کا بیٹا آپ کو خدا کے حضور شرمندہ نہیں کرے گا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ......''

''بیٹے افسوس کس بات کا......؟'' ماں نے بیٹے کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

'یہ کہ میں آپ کی خدمت نہ کر سکا۔'' بیٹے نے ماں کے آگے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

''بیٹے میں نے ایک دن بھی تجھے اپنی خدمت کے لیے نہیں پالا۔ میرے بڑھاپے کا خیال نہ کرو۔ میری کمر تو اس دن جھکے گی جس دن تم نے دنیا کے سامنے گردن جھکائی۔''

''اچھا ماں مجھے معاف کر دینا۔''

''بیٹے بے گناہی کی قید سنت یوسفی ہے' اس پر استقامت دکھانا۔ تمھاری ماں کی دعائیں تمھارے ساتھ رہیں گی۔'' ماں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے۔

خلیفہ ہارون الرشید کا حکم ملتے ہی عامل مکہ حماد بربری نے تین سو سادات قریش کو گرفتار کر کے انھیں زنجیریں پہنا دیں۔ ان تین سو اشخاص میں وہ نو افراد بھی شامل تھے جنھیں والی یمن نے اپنے خط میں تحریک کا بانی قرار دیا تھا۔ دسویں امام شافعی تھے۔ اور باقی وہ لوگ تھے جو اپنے رہنماؤں کی آواز پر لبیک کہنے والے تھے۔

آخر سیاسی قیدیوں کا یہ قافلہ مکہ سے بغداد کی طرف روانہ ہوا۔ ایک عجیب اور المناک منظر تھا۔ معزز سادات قریش اس طرح وطن سے نکل رہے تھے کہ ان کے ہاتھ گردنوں سے بندھے

ہوئے تھے۔حجاز کے باشندوں نے خاموش قیدیوں کو ایک ہی لمحے میں پہچان لیا کہ یہ سب کے سب معتوب خلافت ہیں اور آہستہ آہستہ اپنے ہولناک انجام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

اس دن مکہ کی فضا بڑی سوگوار تھی۔کوئی بھی شخص ان نفوس قدسیہ کے حق میں ایک لفظ زبان سے نکالنے کی جرات نہ رکھتا تھا۔اور ظاہر بین اہل تقوی سیاست سے کنارہ کش ہو کر اوراد و اذکار میں مصروف رہے۔

یہ ۱۸۴ھ کا ایک دن تھا۔خلیفہ ہارون الرشید جاہ وحشم اور جبر و استبداد کا پیکر دکھائی دے رہا تھا۔اس کے سامنے دس افراد پیش کئے گئے جن میں سے نو پر علوی تحریک کی سربراہی کا الزام تھا اور دسواں محمد بن ادریس شافعی تھا جسے والی یمن نے ایک مسلح فوج سے زیادہ طاقتور اور خوفناک قرار دیا تھا۔تمام اسیروں کے ہاتھ اسی طرح گردنوں سے بندھے ہوئے تھے جس طرح ہارون الرشید نے یحیی بن خالد برمکی کو حکم دیا تھا۔

بغداد کی شمشیر اختیار اپنے حریفوں کا لہو چاٹنے کے لیے مضطرب و بے قرار تھی۔ہارون الرشید کے تخت سے کچھ فاصلے پر اس کے سامنے چمڑے کا فرش بچھا دیا گیا اور ہارون الرشید نے پہلے ایک ملزم سے کچھ استفسارات کئے اور پھر اسے سب کے سامنے قتل کروا دیا۔پھر دوسرے سے سوال جواب ہوئے اور اسے قتل کر دیا۔اسیران سیاست نے جان بچانے کے لیے منطق کا سہارا لیا، عقلی دلائل پیش کئے مگر ہارون الرشید نے ان کے کسی عذر کو تسلیم نہ کیا۔اس طرح وہ دوسرے باغیوں کو خوفزدہ کر کے لطف اندوز ہوتا رہا۔یہ ہیبت ناک کھیل بہت دیر تک جاری رہا۔حتی کہ نو سادات قریش ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

جب دربار شہنشاہی نو محترم انسانوں کے خون سے سرخ ہو گیا تو ہارون الرشید کے سامنے دسویں قیدی چونتیس سالہ محمد بن ادریس شافعی کو لایا گیا۔جب خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے اس کو لا کھڑا کیا گیا تو وہ اس سے مخاطب ہوا:

”تم بھی علوی زادے ہو“؟ ہارون الرشید کے لہجے میں اقتدار کی رعونت اور انتقام کی گرمی بول رہی تھی۔

”نہیں!“ محمد بن ادریس شافعی نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔”یہ میرے بارے میں غلط بیانی ہے۔“ شافعی کے لہجے سے ایک فقیہہ ومحدث کا وقار نمایاں ہو رہا تھا۔

ہارون الرشید اس جرات گفتار پر حیران رہ گیا۔اسے یقین تھا کہ اپنے ساتھیوں کی خون میں نہائی ہوئی لاشیں دیکھ کر یہ نوجوان بدحواس ہو جائے گا۔لیکن جب اس نے فرزند قریش کے پائے استقامت

تو نے نہیں پھینکا جب کہ پھینکا تو نے پڑھا ہے، لیکن تو ایک جسم ہے اٹکل میں پھنسا رہ گیا ہ

میں معمولی سی لرزش بھی نہ پائی تو مڑ کر اس نے اپنی بائیں طرف بیٹھے ہوئے ایک وزیر کی طرف تیز نظروں سے دیکھا۔ اسی وقت وزیر کھڑا ہوا' خلیفہ کے حضور آداب بجالانے کے بعد وہ سردار والی یمن کا خط پڑھنے لگا۔ شافعی حیرت سے وزیر کا منہ تکنے لگا۔ یہ شافعی کے خلاف طویل فرد جرم تھی۔ شافعی والی یمن کے اس منافقانہ طرز عمل کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ایک طرف وہ عامل نجران کی حیثیت سے شافعی کی خدمات کا معترف تھا اور دوسری طرف وہ اسے خلافت عباسیہ کا سب سے بڑا دشمن قرار دے رہا تھا۔

آخر تہمتوں کا یہ دفتر ختم ہوا تو ہارون الرشید غضب ناک لہجے میں بولا:

''نوجوان اگر علویوں سے تیرا نسبی تعلق نہیں ہے تو پھر یہ سب کچھ کیا ہے؟''

''امیر المومنین اہل نجران گواہ ہیں کہ میں چار سال تک جاگتا رہا ہوں اور وہ چین کی نیند سوتے تھے۔ میں نے انھیں انصاف فراہم کیا جس سے وہ محروم ہو چکے تھے۔ میں نے والی یمن کے دست ظلم کو روکا جو سلطنت عباسیہ کی عظمت کو داغ دار کر رہا تھا۔ میں اپنے دل میں ہوس زر رکھتا ہوں نہ شوق اقتدار' مکے کی گلیاں چھوڑ کر نجران اس لیے گیا تھا کہ بندگان خدا کے کام آسکوں۔ خدا کی قسم میرے نام کے ساتھ جو کچھ منسوب کیا گیا ہے وہ بہتان ہے' کذب وافتراء ہے۔ آپ اہل نجران کو بلائیں اور ان سے میرے اعمال کی گواہی لیں۔''

''بے شک تو بڑا فصیح و بلیغ ہے لیکن تیری شدت گفتار تجھے معصوم ثابت کرنے سے قاصر ہے۔'' یہ کہہ کر ہارون الرشید نے جلاد کی طرف دیکھا جس کی تلوار ابھی ابھی نو معززین قریش کا لہو چاٹ چکی تھی اور اب بھی اس سے خون ٹپک رہا تھا۔

شافعی کی تقریر کا آہنگ عجیب تھا لیکن عباسی خلیفہ نے کوئی تاثر قبول نہ کیا۔ فرزند قریش کا ایک ایک لفظ رائیگاں گیا۔ علوی تحریک کی دہشت نے ہارون الرشید کو اس قدر محتاط بنا دیا تھا کہ اس نے ہر قسم کی دلیل سے کان بند کر لیے اور سچائی کی طرف سے منہ موڑ لیا۔

''اس کا سر کندھوں پر گراں ہے'' یہ شافعی کی طرف اشارہ تھا۔ ''اسے بھی ان علوی زادوں کی آرام گاہ تک پہنچا دو جو خلافت کا انتظار کرتے کرتے ابدی نیند سو گئے ہیں۔''

فیصلہ سنایا جا چکا تھا۔ جلاد نے آگے بڑھ کر شافعی کے ہاتھ کھول دیئے۔ پھر اسے قتل کرنے کے لیے مروجہ قانون کے مطابق چمڑے کے فرش پر بٹھا دیا گیا۔ دربار کبر و نخوت میں علم و آگہی کو ذبح کرنے کی

تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں کہ یکایک ہارون الرشید نے جلاد کو دوسرا اشارہ کیا۔خلیفہ کا حکم پاتے ہی جلاد نے ایک خاص انداز سے کچھ دیر تک شمشیر کو ہوا میں لہرایا۔ یہ شافعی کو خوفزدہ کرنے کا ایک حربہ تھا۔فرزند قریش نے نہایت اطمینان سے خون میں ڈوبی ہوئی تلوار کو دیکھا۔نہ آنکھوں کی پتلیاں کانپیں، نہ سانسیں منتشر ہوئیں نہ چہرے پر پریشانی کی کوئی علامت ابھری ۔اہل دربار اس نوجوان کی حالت سکون پر حیران تھے کہ جسے چند ساعتوں کے بعد موت سے گلے ملنا تھا۔

ابھی حاضرین کا یہ استعجاب برقرار تھا کہ اسی دوران امام ابوحنیفہ کے شاگرد خاص اور بغداد کے قاضی امام محمد بن حسن شیبانی دربار میں داخل ہوئے۔شافعی نے جیسے ہی اپنے استاد کو آتے دیکھا تو بے اختیار بول اٹھا:

''امیر المومنین اب میری زبان سمجھنے والا آ گیا''۔شافعی کا ہاتھ بلند تھا اور وہ اس فقیہ جلیل کی طرف اشارہ کر رہا تھا جس کے علم وفضل کے سامنے اہل عراق دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔

''امام محمد میرے کردار پر شہادت دینگے۔یہ آپ کو بتائیں گے کہ میں سازشی ہوں یا حدیث وفقہ کا طالب علم۔اگر امام محمد نے بھی خاموشی اختیار کر لی تو پھر میں کسی کو آواز نہیں دوں گا۔اپنی نجات کے لیے کوئی دلیل نہیں لاؤں گا۔بس میرے مقدمے کی یہ پہلی اور آخری گواہی ہوگی''۔

امام محمد نے وہ ہولناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ ایک وجیہہ نوجوان کے سر پر شمشیر خلافت اپنی تمام خون آشامیوں کے ساتھ لہرا رہی تھی مگر نوجوان کے چہرے پر خوف وہراس کا ہلکا سا اثر بھی نمایاں نہیں ہوا تھا۔انھوں نے شافعی کی آواز بھی سن لی تھی اور یہ آواز ان کے کانوں کو کچھ مانوس مانوس سے معلوم ہوتی تھی جس نے انھیں مزید حیران کر دیا تھا۔وہ حیرت زدہ سے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دربار میں اپنی نشست تک پہنچے۔اس دوران دربار پر گہرا سکوت طاری رہا۔جب امام محمد اپنی نشست پر بیٹھ گئے تو ہارون الرشید دوبارہ شافعی سے مخاطب ہوا:

''نوجوان کیا تجھے یقین ہے کہ امام محمد تمھارے حق میں گواہی دیں گے؟''ہارون الرشید نے در پردہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنیکی کوشش کی تھی۔

خلیفہ قریشی نوجوان کو بتانا چاہتا تھا کہ مملکت عباسیہ کا نظام اس کی جنبش ابرو سے رواں ہے۔اگرچہ امام محمد قاضی بغداد تھے اور ہارون الرشید بھی ان کے منصفانہ مزاج سے واقف تھا لیکن پھر بھی بوئے خلافت کا خناس اس کے دماغ میں سمایا ہوا تھا اور اب وہ نہایت بے باکی سے ہر شخص کے بارے میں سوچنے لگا تھا کہ کوئی بھی اس کے حلقہ اثر سے باہر نہیں۔

Scanned with CamScanner

’’مجھے یقین ہے کہ ایک صاحب علم ہی دوسرے صاحب علم کے حق میں گواہی دے سکتا ہے۔‘‘ محمد بن ادریس شافعی مقتل کی خونیں فضا سے متاثر ہوئے بغیر نہایت بے باکی سے بول رہا تھا۔ ’’مجھے اپنے انجام کی فکر نہیں مگر اتنا ضرور پسند کروں گا کہ امام ابوحنیفہ کا شاگرد جلیل میرے مقدمے میں شہادت دے اور اگر امام محمد کی گواہی بھی میرے خلاف جاتی ہے تو مجھے قرار آ جائے گا۔ میں سکون سے شمشیر شہنشاہی کے نیچے گردن رکھ دوں گا کہ میرے خدا کی مرضی یہی تھی۔‘‘

عباسی خلیفہ کسی حد تک فرزند قریش کو بے گناہ سمجھنے لگا تھا لیکن علوی تحریک کے حوالے سے اب بھی اس کے دل میں کچھ شکوک وشبہات باقی تھے۔ چند لمحے دربار پر گہرا سکوت طاری رہا اور پھر ہارون الرشید نے اپنے تخت کے دائیں جانب مڑ کر امام محمد کی طرف دیکھا:

’’کیا آپ اس قریشی نوجوان محمد بن ادریس شافعی سے واقف ہیں؟‘‘ ہارون الرشید نے بارعب آواز میں سوال کیا۔ اب بھی اس کے لہجے سے تلخی جھلک رہی تھی۔

اس دوران امام محمد بہت غور سے امام شافعی کے چہرے کی طرف دیکھتے رہے تھے۔ پھر اچانک جیسے انھیں سب کچھ یاد آ گیا ہو۔ امام محمد کے ذہن میں وہ رات ابھر رہی تھی جب قریش کا یہ لڑکا ان کے یہاں مہمان کی حیثیت سے ٹھہرا تھا اور اس نے امام ابوحنیفہ کی ضخیم کتاب ’’الاوسط‘‘ ایک ہی رات میں حفظ کر لی تھی۔ اب وہی نوعمر لڑکا جوان ہو چکا تھا اور وقت کی گردش اسے کسی علمی درسگاہ کی بجائے جبر واقتدار کے مقتل میں کھینچ لائی تھی۔ شافعی پر شمشیر ظلم کو سایہ فگن دیکھ کر امام محمد کا چہرہ اداس ہو گیا۔ ان کے قلب نازک نے اس واقعے کا گہرا اثر قبول کیا اور وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

کیا قاضی بغداد اس نوجوان سے ناواقف ہیں؟ ہارون الرشید نے امام محمد کو خاموش دیکھ کر دوبارہ مخاطب کیا: ’’کیا علوی تحریک سے وابستہ یہ نوجوان آپ کی جلالت علمی کا سہارا لے کر اپنی جان بچانا چاہتا ہے؟ کیا یہ جھوٹ بول کر نئے جرم کا ارتکاب نہیں کر رہا ہے؟‘‘

’’امیر المومنین ہرگز نہیں!‘‘ امام محمد بے قرار ہو کر گویا ہوئے: ’’محمد بن ادریس حرف بحرف سچ بولنے والا ہے۔ خدا نے اسے علم وفضل کے سرمائے کے ساتھ ساتھ تقویٰ واخلاق کی دولت سے بھی مالا مال کیا ہے۔ میرے خیال میں علوی تحریک سے وابستگی شافعی پر ایک تہمت ہے۔ میں اپنی معلومات کی حد تک پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ محمد بن ادریس ایسا نہیں جیسا اسے کہا جا رہا ہے۔ اگر وہ الزام سے برات کا اظہار کر رہا ہے تو درست تسلیم کیا جانا چاہیے کیونکہ اگر وہ اس میں شریک ہوتا تو وہ اس کا اعتراف علی الاعلان

کرتا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں جو لالچ، خوف اور دباؤ کے نتیجے میں اپنی بات کو بدل لیں''۔

جیسے ہی امام محمد کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے سازش کرنے والوں کے چہرے مسخ ہوگئے۔ دربار خلافت میں موجود والی یمن کے آدمی اپنی نشستوں پر پہلو بدلنے لگے جیسے وہ کسی ناقابل برداشت کرب اور درد میں مبتلا ہوں۔ امام محمد کی گواہی کے باعث والی یمن کی طویل منصوبہ بندی اس طرح منتشر ہو رہی تھی کہ اب اس کا ایک لفظ بھی قابل اعتبار نظر نہیں آ رہا تھا۔

قاضی بغداد کی شہادت پر خلیفہ ہارون الرشید کچھ دیر سوچتا رہا اور امام شافعی کے مخالفین شدید اذیت کے عالم میں پیچ و تاب کھاتے رہے۔ انھیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اس کھیل کو بگڑنے سے کیسے بچایا جائے جس کے مہرے انھوں نے بڑی مہارت سے آگے بڑھائے تھے۔ بالآخر عباسی خلیفہ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ وہ امام محمد سے مخاطب تھا:

''اگر محمد بن ادریس شافعی کے بارے میں آپ کی یہ رائے ہے تو آپ اس شخص کو اپنی نگرانی میں رکھیں، ہم بعد میں کوئی حتمی فیصلہ کریں گے''۔

جب فرزند قریش کے جسم کو زنجیروں سے آزاد کیا جا رہا تھا اس وقت سازش کرنے والوں کی حالت دیدنی تھی۔ ان کے چہرے احساس شکست سے دھواں ہو رہے تھے اور جسموں پر لرزہ طاری تھا۔

شافعی کو عارضی طور پر امان مل گئی تھی۔ شمشیر اختیار نیام میں چلی گئی۔ جب ہارون الرشید کا دربار ختم ہوا اور شافعی مقتل سے نکل کر امام محمد کے ساتھ ان کے گھر جانے لگے تو والی یمن کے حامی قاضی بغداد اور دیگر مخالفین پر اپنا غصہ اتار رہے تھے۔

''منصوبہ تو اپنی جگہ مکمل تھا مگر امام محمد نے بیچ میں آ کر کھنڈت ڈال دی'' والی یمن کے ایک خاص آدمی نے دوسرے ساتھی سے سرگوشی کی۔

''گھبرانے کی کوئی بات نہیں ابھی عبوری فیصلہ ہوا ہے'' دوسرے نے پہلے کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''اب یہ ممکن نہیں کہ فرزند قریش کو دوبارہ زنجیریں پہنا کر مقتل میں لایا جائے۔ امام محمد تنہائی میں اپنی پرجوش منطق سے خلیفہ کو قائل کر لینگے اور اس طرح فرزند قریش بے گناہ ٹھہرے گا'' پہلے آدمی نے بے یقینی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

شافعی کے حاسدین اس بات پر کف افسوس مل رہے تھے کہ شمشیر جہالت پیاسی رہ گئی اور علم و عرفان کے خون سے فرش شہنشاہی کو رنگین نہ کیا جا سکا۔.................(جاری ہے)

☆لفظ ہبہ، تملیک اور بیع کے ساتھ نکاح منعقد ہو جاتا ہے☆

مدارسِ دینیہ اور مسندِ تدریس کے تقاضے

مولانا نجم الرحمن

انسان طبعی طور پر سہل پسند ہے ہر معاملہ میں سہل پسندی اور آسانی کی طرف اس کا رجحان زیادہ رہتا ہے۔ چونکہ ہمارا دین فطری دین ہے۔ چنانچہ احکامات میں بھی آسانی فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر سہولت پسندی کو زیادہ ترجیح دی تاکہ انسان مشقت میں مبتلا نہ ہو۔ حضور اقدس ﷺ کی سیرت سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے عبادات اور احکامات میں سہولت پسندی کی اپنے جذبات کو قربان کر کے رخصت کے پہلو کو غالب رکھا' چنانچہ جب بھی کسی معاملہ میں مشقت اور سہولت کا تعارض ہوتا تو رسول اکرم ﷺ سہولت کو ترجیح دیتے تھے۔ اس لیے تعلیم و تعلم میں اس پہلو کو مدنظر رکھا۔ ہر لحاظ سے اس میں آسانی پیدا فرماتے تھے' چنانچہ لوگوں کی نفسیات کا خیال رکھ کر سہولت کے ساتھ ان کو سمجھانے کی کوشش فرماتے تھے۔ اس لیے جہاں ماحول میں تنگی اور سننے والوں کی اکتاہٹ محسوس کرتے تھے تو زیادہ بوجھ ڈالنے سے منع فرماتے تھے۔ اور یہ حکم دیتے تھے: ''یسروا ولا تعسروا'' یعنی آسانی پیدا کرو کسی کو تکلیف میں مت ڈالو۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے تناظر میں ہمیں بھی تعلیم و تعلم اور افہام و تفہیم میں آسانی پیدا کرنی چاہیے۔

چونکہ تعلیم و تعلم کا سارا مدار ذہن کے استعمال پر ہوتا ہے اور ذہنی مشقت جسمانی مشقت سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے' کیونکہ اگر ذہن مشکل میں پھنس جائے تو بات سمجھنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے اس لیے طلباء کو سبق پڑھانے میں آسانی پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ سبق میں آسانی کس طرح پیدا کی جائے گی' اپنے تجربہ کی بنیاد پر چند گزارشات پیش کرتا ہوں:

۱۔ سب سے پہلے جو سبق طالب علم کو پڑھایا جاتا ہے اس سبق کا پورا مطالعہ کیا جائے اور اپنے ذہن

Scanned with CamScanner

میں پھر اس کا خلاصہ تیار کیا جائے بہتر ہوگا کہ ذہن میں دو تین بار دہرایا جائے اور پھر آسان الفاظ میں طلباء کو سمجھایا جائے، کوشش ہونی چاہیے کہ خلاصہ میں رٹہ کی صورت اختیار نہ کرے بعض دفعہ متن کا خلاصہ بغیر کسی تغیر وتبدل کے مصنف کے الفاظ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، طلباء کے ذہن پر اس کو یاد کرنے سے بوجھ پڑتا ہے، کیونکہ وہ صحیح طریقے سے اس کو سمجھ نہیں پاتے، اور جب اپنے الفاظ میں سبق پیش کیا جائے تو وہ جلدی سمجھتے ہیں تو سبق یاد کرنا بھی آسان ہوجاتا ہے۔

۲۔ اگر بحث طویل ہو تو اس کو اجزاء میں تقسیم کرے۔ مباحث کا ایک نقشہ مرتب کر کے سمجھائے اس طریقے سے سمجھنا اور یاد کرنا آسان ہوتا ہے۔

۳۔ اگر استاد محسوس کرے کہ ایک بار سبق پڑھانے سے طلباء کو پوری طرح سمجھ نہیں آیا تو کئی بار اس کو سمجھائے لیکن دلچسپی پیدا کرنے کے لیے بار بار پیش کرنے کی صورت میں انداز تبدیل کرے کیونکہ کبھی کبھار سبق کا تکرار بھی ذہن پر بوجھ ڈالتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ مثالوں کے ذریعے سمجھائے کیونکہ مثال سے بات جلدی سمجھ آتی ہے۔

۴۔ طلباء کو سبق کی طرف متوجہ رکھنے کے لیے اور مسئلہ کی اہمیت واضح کرنے کے لیے سوالیہ انداز اختیار کرنا بھی بہت مفید ہوتا ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوالیہ انداز میں فرمایا کہ کونسا درخت ہے جو انسان کے مشابہ ہے۔ سب متوجہ ہوئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ کھجور کا درخت ہے۔ اس صورت میں مسئلہ کی وضاحت بھی ہوجاتی ہے اور دوسری اہم بات کہ ہمیشہ یاد بھی رہتا ہے۔

۵۔ اگر کوئی بحث کافی مشکل ہو تو طلباء کو پہلے سے نہ بتایا جائے کہ یہ بحث بہت مشکل ہے پتہ نہیں آپ کیسے سمجھیں گے؟ کیونکہ بعض کمزور ذہن والے تو ابتداء ہی میں ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے اور نفسیاتی طور پر مرعوب ہوجاتے ہیں۔ ایسی صورت میں بہتر یہ ہوگا کہ استاد خود مشقت برداشت کرے اور کوئی مثال یا واقعہ ایسا پیش کرے جو سبق سے مطابقت رکھتا ہو تو اس کے سننے سے ان کا ذہن کھل جاتا ہے اور پھر اس بحث کی تطبیق اس مثال یا واقعہ کے ساتھ پیش کرے تو بوجھ محسوس کئے بغیر سب سمجھ جائیں گے۔ ہم نے خود اپنے اساتذہ سے درس میں مشکل مباحث کے دوران واقعات کی شکل میں سبق کی مشکلات کو حل ہوتے دیکھا ہے۔ جب استاد کو یقین آجائے کہ طلباء سمجھ گئے تو پھر بتانے میں کوئی حرج نہیں کہ یہ بحث مشکل ہے، اس لیے اس کو یاد رکھنے کی کوشش کریں۔

۶۔ کوشش کریں اپنا انداز دلچسپ بنائیں اگر استاد یہ سمجھے کہ میں نے بس سبق پڑھانا ہے

☆ استعارہ کیا ہے؟ استعارہ کا لغوی معنی کوئی چیز بطور ادھار لینا ہے ☆

اور انداز میں کوئی دلچسپی اختیار نہ کرے اور بجھی ہوئی طبیعت سے سبق پڑھائے تو طلباء کو اخذ کرنے میں دقت محسوس ہوگی اس لیے طلباء کے ساتھ خوش طبعی کرنی چاہیے طبیعت میں نشاط رکھنا چاہیے۔ سبق کے دوران بھی اگر استاد کو محسوس ہو جائے کہ طلباء پر اب سبق بوجھ بن رہا ہے تو ماحول میں تازگی پیدا کرنے کے لیے صاف ستھرا مزاق وغیرہ کرے، جب ماحول میں تازگی پیدا ہو جائے تو سبق آگے بڑھا دے۔ طلباء کی ذہنی سطح کو سامنے رکھ کر سبق پڑھانا چاہیے کبھی کبھی بے جا تشریحات سے کتاب کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اس لیے زیادہ کوشش یہ رہے کہ طلباء سب سے پہلے عبارت کا مقصد سمجھیں۔ عبارت میں موجود مسئلہ آسان انداز میں سمجھائیں پھر اس کے بعد اس سے متعلق تشریح کریں ہمارے ہاں فن کی بعض کتب قیل وقال کے شکار ہو جاتی ہیں مثلا کافیہ کی عبارت مغلق ہے طلباء کو نفس عبارت سمجھانے کی بجائے غیر ضروری تشریحات میں الجھایا جاتا ہے۔

۷۔ ابتدائی درجوں میں طلبہ کو کتاب سمجھانے میں کافی دقت اٹھانی پڑتی ہے، کیونکہ وہ نحو وصرف وغیرہ کے فنون سے مانوس نہیں ہوتے ہیں، اس لیے ان کو فن کا مسئلہ سمجھانے کے ساتھ مشق اور اجراء کی بھی ضرورت ہوتی ہے جب بار بار وہ مشق کریں گے، تو ان میں پختگی پیدا ہوگی۔ اس لیے اساتذہ آسان انداز میں سبق سمجھائیں۔ اور روزمرہ کے حالات وواقعات کے مطابق مثالوں کے ذریعے مشق کا اہتمام ہونا چاہیے۔ مثلاً نحو میں ہم ان کے سامنے فعل، فاعل اور مفعول کی تعریف کریں، اور ان کو یاد بھی کروائیں تو اس وقت تک وہ ان اصطلاحات سے واقف نہیں ہو سکتے جب تک ہم ان کی زبان میں مثال کے ذریعے فعل، فاعل اور مفعول وغیرہ بیان نہ کریں۔ اگر ہم کلاس میں عملی طور پر اس کی مشق کریں کہ طالب علم سے کوئی کام کروائیں مثلاً کسی طالب علم نے ایک گلاس پانی پی لیا، تو ہم ان کو بتا سکتے ہیں کہ پانی پینا فعل ہے، جس نے پانی پیا وہ فاعل ہے اور پانی مفعول بہ ہے، جس حالت میں پانی پیا وہ حال ہے۔ جس کی حالت بیان ہوئی وہ ذوالحال ہے۔ یا کوئی اور مثال ہو تو طالب علم بہت جلد سمجھ جائے گا اس کے بعد اگر اس کو فعل، فاعل اور مفعول وغیرہ کی تعریف سمجھائی جائے تو وہ آسانی سے سمجھ جائے گا۔

۸۔ بڑے درجات کے طلبہ کے ساتھ ابتدائی درجات والے طلبہ جیسی محنت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ البتہ منطق، فلسفہ اور اصول فقہ وغیرہ فنون کی جو مشکل مباحث ہیں ان میں آسانی پیدا کرنی چاہیے۔ آسانی کا مطلب یہ نہیں کہ بعض مقامات جہاں تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے وہاں تحقیق ہی

چھوڑ دی جائے۔اس کا بڑا نقصان یہ ہوگا کہ طلبہ کی استعداد کمزور پڑ جائے گی اور تحقیق کا مادہ ختم ہو جائے گا۔ اور وہ اپنے آپ کو محض ظاہری عبارات تک محدود رکھیں گے، تو تحقیق طلب مقامات میں خوب تحقیق ہونی چاہیے لیکن انداز میں آسانی ہو۔

میرے والد محترم فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ایک استاذ اصول ریاضی وغیرہ فنون میں مہارت رکھتے تھے، اتنے فصیح انسان تھے کہ کلاس میں کوئی طالب علم ایسا نہیں تھا جو ان کے مشکل سبق کو نہ سمجھ پاتا، کبھی کبھار فرماتے: ''کہ پتھر کیوں نہ ہو کہ میں اسے سمجھا نہ سکوں''۔

یہ چند امور میرے ذہن میں آئے اور میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیے۔درس میں آسانی پیدا کرنے کے اور بھی طرق ہو سکتے ہیں، بہر حال جب استاذ کا جذبہ یہ ہو کہ جیسا بھی ممکن ہو طالب علم کو سمجھانا چاہیے۔اس جذبے کے تحت اللہ تعالی اس کا ذہن کھول دیتا ہے۔اور اس کے ذہن میں ایسی چیزیں ڈال دیتا ہے جو طالب علم کے لیے مفید ہوں گی۔البتہ جہاں بھی کسی کتاب میں مشکل پیش آ جائے اور باوجود کوشش کے وہ مشکل حل نہ ہوتی ہو تو اہل فن کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔خاص کر اپنے تجربہ کار اساتذہ سے استفادہ کرنا چاہیے، ان شاء اللہ یہ سب کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

الدر الثمین

فی فضل الصلوۃ والسلام علی

النبی الامین

تالیف وترتیب علامہ محمد عبد السلام

ناشر: خانقاہ سلطانیہ ☆ گلشنِ عظیم جہلم

''گلیوں'' سے متعلق معاملات اور مسائل

(قسط پنجم)

مفتی وزیر احمد جامعہ ضیائے مدینہ، ماہی والا لیہ

گلی اور عام گزرگاہ پر قابض ہونا یا اس کا کچھ حصہ زیرِ قبضہ لانا۔

گلی اور عام گزرگاہ کا کچھ حصہ ذاتی استعمال یا تعمیر میں لانا، خواہ ذاتی استعمال سیڑھیوں کی صورت میں ہو اور سیڑھی بالائی منزل کے کام آئے یا راستہ کی سطح سے پہلی منزل کے کمروں کے فرش دو، تین فٹ بلند ہوں، اسی وجہ سے مکانوں کے سامنے عام گزرگاہ کے احاطہ میں اینٹوں یا بجری، کسی اور میٹریل سے سیڑھی بنائی جائے علی ھذا القیاس! مکمل مسجد راستہ پر تعمیر کی جائے یا اس کا محراب گلی میں نکالا جائے ''غصب کے زمرہ میں آتا ہے'' اور اس سے متعلق انہدام کا حکم ہے۔

حضرت حارث سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا:

من اخذ من طریق المسلمین شبرا طوقه الله یوم القیامة من سبع ارضین

جس شخص نے مسلمانوں کے راستہ سے ایک بالشت زمین پر قبضہ کرلیا، تو اللہ تعالی قیامت کے روز سات زمینیں بطور طوق اس کے (گلے میں) پہنائے گا (المعجم الصغیر للطبرانی، رقم الحدیث ۱۱۹۷، دارالکتب العلمیہ بیروت)

''الموسوعة الفقهیة'' میں ہے۔ **ویهدم ان استولی شخص او اقتطع من الطریق وادخله فی بنائه**

اگر کوئی آدمی قبضہ کرلے یا راستہ میں سے کچھ حصہ کاٹ لے اور اسے اپنی تعمیر میں داخل کرلے تو اسے منہدم کردیا جائے گا (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ۲۸/ ۳۴۷، امیر حمزہ کتب خانہ کوئٹہ)

جب فقہائے احناف نے راستہ پر نماز جیسی عبادت ادا کرنے سے متعلق یہ حکم لکھا ہے کہ

Scanned with CamScanner

"ان الصلاۃ فی الطریق مکروھة" (ردالمحتار) یعنی" راستہ پر نماز مکروہ ہے" تو شارع عام پر مساجد کی تعمیر کس طرح درست ہوگی؟

متنوع پس منظر میں شاہراہوں پر اجتماع، ہجوم اور بزم آرائی؟

شاہراہوں، عام گزرگاہوں اور گلیوں میں ایسا عمل جو گزرنے والوں کے لئے رکاوٹ کا باعث بنے، روانہیں ہے، خواہ ایسے افعال کا ارتکاب ایک آدمی کرے یا چند لوگ ملکر کریں۔ بعہد حاضر راستوں میں رکاوٹ بننے والے عناصر اور ان کے گروپس اس قدر زیادہ ہیں اور ان میں تنوع ہے جن کے لئے ایک طویل فہرست درکار ہے، ملک پاکستان میں جن وجوہ کی بنا پر لوگ جمع ہوتے ہیں، ان کی تفصیل ملاحظہ کیجئے۔ ۱۔شادی بیاہ، ولیمہ۔ ۲۔تعزیتی مجلس۔ ۳۔سیاسی میٹنگ۔ ۴۔ مذہبی مجالس ومحافل۔ ۵۔ مطالباتی اجتماع۔۶۔کھیل کود اور تفریحی پروگرام۔ علاوہ ازیں بھی متنوع پس منظر کے تحت اجتماعات ہوتے رہتے ہیں، مگر ہمیں جن سے متعلق کلام کرنا ہے، فقط وہ ہیں جن سے راستہ اور عام گزرگاہیں بندش اور کوتاہ دامنی کی نذر ہوں اور وہاں سے گزرنے والے اور راستہ میں رکاوٹ پیدا کرنے والوں کے مابین الجھن کا باعث بنیں، چنانچہ مندرجہ بالا محافل اور اجتماعات کے لئے شہروں میں اسٹیڈیم، پارک، عیدگاہیں اور وہاں کے لوگوں نے اپنی سہولت کے لئے مقامات مختص کئے ہوتے ہیں، مگر مطالبات بجائے حکام کی دہلیز کے مین روڈوں پر منوائے اور مانے جاتے ہیں، مسلسل کئی دنوں تک جاری رہنے والے دھرنے اور احتجاج سے ہونے والا بھاری نقصان راہگیروں اور وہاں کے مقامی لوگوں کو اٹھانا پڑتا ہے، کبھی تو راستوں پر گزرنے والے مظاہرین کے فتووں کا ھدف بھی ٹھہرتے ہیں، "ایک مرتبہ مین روڈ پر جب احتجاج کرنے والوں نے دیکھا کہ مسافر اور گاڑیاں تو نہیں رک رہیں شاید کہ ہمارا یہ عمل ناقابل مسموع رہے تو انہوں نے بھاری پتھر ہاتھ میں لئے اور مسافروں سے مخاطب ہوکر کہا "رُک جاؤ ورنہ یہ پتھر آپ کی گاڑیوں پر برسیں گے" کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ نعوذ باللہ! ان کی نگاہ میں اس وقت راستہ سے گزرنا مسلمانی نہیں تھا، بلکہ ان کے نزدیک عشق اور ایمان راستوں کو بند کرنا تھا" حاشا وکلا" دوسرے روز احتجاج کناں صاحبان "اخبارات" کی ورق گردانی کررہے تھے کہ کیا ہم نے جو کل راستہ میں رکاوٹ ڈال کر مطالبہ کیا تھا اس کی کوئی خبر بھی چھپی ہے یا نہیں؟ ایسے واقعات کی خبر شائع نہ ہونے کی بنا پر پھر صحافیوں

کو کوستے ہیں۔

مندرجہ بالا قسم کے جتھوں کے علاوہ کچھ لوگوں کی عادات راستوں پر بزم آرائی کی بھی دید میں آتی ہیں، واضح ہے کہ علی الصبح کچھ دکاندار دھوپ سینکنے یا خریداروں کو مطلع کرنے کے لئے دکان کے سامنے کرسی ڈال کر بیٹھ جاتے ہیں، گھر کے سامنے راستہ پر بیٹھنا اور خوش گپیوں میں وقت صرف کرنا بھی بعضوں کی سرشت ہوتی ہے، نیز شارع عام اور گلیوں میں چل پھر کر اشیاء خوردنی فروخت کرنے والوں کی تعداد اس قدر نظر آتی ہے جو بعض اوقات ایک ہجوم سے کم نہیں ہوتی، ان کے ٹھہراؤ اور پڑاؤ سے بھی ضرر رسانی کا عمل وجود میں آتا ہے۔

نیز کمرشل بلڈنگ، اسپتال، بڑے ہوٹلوں کے ساتھ پارکنگ کی جگہ نہ رکھنے کی بنا پر شاہراہوں اور سروس روڈز پر پارکنگ کر کے راستہ بند کر کے ٹریفک جام کرنا نہایت قبیح امر ہے، اسی بنا پر بعض اوقات گاڑیوں کے مالکان مالی جرمانے بھی ادا کرتے ہیں، صاحب حیثیت مالی جرمانہ ادا کرنا معمولی بات سمجھتے ہیں، حالانکہ راستہ بلاک کرنے کے جرم کا مکمل کفارہ دو، یا چار سو روپے جرمانہ نہیں، بلکہ راستہ بند کرنے کی وجہ سے راہگیروں کا جس قدر جانی یا مالی نقصان ہوگا، اس کا تاوان کون ادا کرے گا؟ یہ درست ہے کہ راستہ میں پھنسے ہوئے لوگ راستہ بند کرنے والوں کا گریبان نہیں پکڑ سکتے، نہ انہیں کسی انصاف گھر میں لے جاسکتے ہیں، مگر کل! اللہ تعالی کی بارگاہ میں حقوق شرع کی پائمالی کے جرم کی پاداش میں جوابدہ تو لازمی ہونگے۔

عیدین کے مواقع اور رمضان المبارک میں جمعۃ المبارک کی ادائیگی کے لئے تمام نمازیوں سے آخر میں ذاتی گاڑیوں پر آنے والے نمازی عیدگاہوں اور جامع مسجدوں کے سامنے مین روڈ پر اور مسجد، گلی میں ہونے کی صورت میں گلی میں ایک لائن میں گاڑیاں کھڑی کر کے چلے جاتے ہیں، حالانکہ اپنے خالق و مالک کو منانے کے لئے یوں اس کے گھر میں حاضر ہونا کہ اس کے بندوں کا راستہ بند کر کے اُنہیں اذیت اور تکلیف میں مبتلا کرنا، ایک عبادت گزار بندے کی صفت نہیں اور نہ ایسے بندوں سے توقع رکھی جاسکتی ہے نیز، جب عیدگاہیں نمازیوں سے پُر ہوجائیں تو بعد میں آنے والے نمازی عام گزرگاہوں اور مین راستوں پر صفیں ترتیب دے کر عید کی نماز ادا کرتے ہوئے بھی کبھی نظر آتے ہیں۔

بعض اوقات ناحق قتل ہونے والے لوگوں کی نعشوں کو ورثا مرکزی گزرگاہ اور مین روڈ

پر رکھ کر بھی احتجاج کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جب تک وہ اپنے مطالبات نہ منوالیں، تب تک اپنے پیاروں کی نعشیں روڈ پر رکھ کر بیٹھے رہتے ہیں۔

آفت زدہ ایئریا یا کہیں مسلمانوں پر انتہا کا ظلم وستم کیا جارہا ہو تو ان کی امداد کے لئے شاہراہوں اور چوکوں پر کیمپ لگانا، تاکہ شہر میں آنے والے اور وہاں سے گزرنے والے مسافر، مظلوموں سے پیسے کی صورت میں تعاون کریں ''مندرجات بالا سے ملتے جلتے کثیر ایسے واقعات مختلف مقامات پر دیکھنے اور سننے کو ملتے ہیں، مگر اختصار کے پیش نظر ذکر نہیں کئے جارہے''

حالانکہ راستوں پر ہمہ اقسام کے ایسے اژدحام جو راستہ سے گزرنے والوں کے لئے ضرر رساں ہوں منعقد کرنا روا نہیں، راستہ کے ایک کنارہ پر بیٹھنے والوں کے لئے بھی اس شرط کے ساتھ اذن ہے کہ وہ راستہ کے حقوق کا خیال رکھیں۔

حضرت سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

غزوت مع نبی اللہ صلی اللہ علیه وسلم غزوة کذاوکذافضيق الناس المنازل وقطعواالطريق فبعث نبی اللہ صلی اللہ علیه وسلم منادياينادی فی الناس ان من ضيق منزلاًاوقطع طريقاًفلاجهادله...

کہ ایک مرتبہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ایک غزوہ میں شرکت کی اور راستہ میں پڑاؤ کیا تو لوگوں کے خیمے قریب قریب ہونے کی وجہ سے راستہ تنگ ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں ایک منادی کرنے والا بھیجا کہ وہ اعلان کردی ''جو شخص راستہ میں تنگی پیدا کرے گا یا راستہ کاٹے گا اس کا جہاد (قبول) نہیں۔ (ابوداود، رقم الحدیث ۲۶۲۹، دارالمعرفۃ بیروت)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اياكم والجلوس فی الطرقات فقالوا مالنابدانماهی مجالسنانتحدث فيهاقال فاذاابيتم الاالمجالس فاعطواالطريق حقهاقالوا وماحق الطريق قال غض البصروكف الاذی وردالسلام وامربالمعروف ونهی عن المنكر۔

راستوں میں بیٹھنے سے بچو! صحابہ کرام نے عرض کیا ''یہ تو ہماری مجلسیں ہیں، ہمارا تو اس کے بغیر چارہ نہیں ہے، ہم وہاں بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی بات پر عمل نہ (کرنے کی صورت میں) تم راستے کو اس کا حق دو، صحابہ کرام نے عرض کیا اس کا کیا حق ہے؟ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نظریں نیچیں رکھنا، تکلیف دہ چیز کو دور کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۲۴۶۵، دار الکتب العربی بیروت)

راستوں پر بیٹھنے والے صاحبان پھاڑنے والی لکڑی کی مانند ہیں

شب اسری بعض اعمال پر مرتب ہونے والے انجام کو ایک محسوس پیکر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا گیا تو ان لوگوں کے اس عمل کی تمثیل بھی پیش کی گئی جو راستوں پر کچہری لگا کر بیٹھتے ہیں:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اتی علی خشبة علی الطریق لا یمر بھا ثوب الا شقته و لا شیء الا خرقته قال ما ھذا یا جبرئیل قال مثل اقوام من امتک یقعدون علی الطریق فیقطعونه''

کہ اس شب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ میں ایک لکڑی کے پاس سے گزر ہوا جو بھی چیز یا کپڑا اس کے پاس سے گزرتا اس کو پھاڑ دیتی ہے۔ اس سے متعلق جبرئیل امین سے دریافت فرمایا؟ تو انہوں نے جواب دیا ''یہ آپ کی امت کے ان لوگوں کی مثال ہے'' جو راستوں پر کچہری لگا کر بیٹھیں گے اور لوگوں کا راستہ کاٹیں گے''۔

(الخصائص الکبری، ۱/ ۱۷۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

راستہ پر بیع وشراء، استراحت یا کلام کے لئے بیٹھنا، بھاری سامان راستہ پر رکھ کر ''بس'' کا انتظار کرنا وغیرہ

عام گزرگاہ سے گزرنے کے علاوہ ہر ایسا انتفاع جائز ہے جو وہاں سے گزرنے والوں کے لئے مضر اور مانع نہ ہو، اگر راستہ پر چل پھر کر بیچنے والے لوگ اس قدر اشیاء اٹھا کر عام گزرگاہ پر رکھنا شروع کر دیں، جس سے راستوں میں توسع نہ رہے اور راستوں کے کناروں پر مختلف النوع سامان رکھ کر بیچنے والے بجائے پیچھے ہٹنے کے آگے کی طرف سرکتے رہتے ہیں اور راستہ کی فقط کمر بچ جائے، یا ریڑھی لگانے والے صاحبان راستہ کے درمیان رک کر اشیاء فروخت کرنا شروع کر دیں، تو پھر واضح ہے ٹریفک جام ہو جائے گی اور تصادم بھی ہو گا تو اس پس منظر میں اس کا جواز نہیں، دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستہ کی وسعت سے متعلق کیا ارشاد فرمایا؟ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: اجعلوا الطریق سبعة اذرع راستہ کی چوڑائی سات گز رکھو۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث، ۱۳۵۵، دار الکتب العربی، بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا اختلفتم فی الطریق جعل عرضه سبع اذرع (صحیح مسلم)

'جب راستے سے متعلق تمہارا اختلاف ہو تو اس کی چوڑائی سات ہاتھ (گز) رکھی جائے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث ۱۶۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت)

عنوان بالا کے تحت جو امور ذکر کئے گئے ہیں، ان سے متعلق جواز اور عدم جواز کا حکم ائمہ مجتہدین کے فرامین کی روشنی میں ''الموسوعة الفقهية'' میں بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے:

وكذلك يباح للجميع الانتفاع بغير المرور مما لا يضر المارة ، كالجلوس فى الطريق الواسعة لانتظار رفيق او سوال ان لم يضر المارة، وان لم ياذن الامام بذلك لاتفاق الناس فى سائر الازمان والاعصار على ذلك، وهذا ايضا محل اتفاق بين الفقهاء، فان ضر المارة او ضيق عليهم لم يجز ،لخبر :"لا ضرر ولا ضرار" ---ويجوزعند الحنفية والشافعية الجلوس فى الطريق النافذة للمعاملة كالبيع والصناعة و نحو ذالك، وان طال عهده ولم ياذن الامام ، كما لا يحتاج فى احياء الى اذنه ،لاتفاق الناس عليه فى جميع الاعصار ---وقال المالكيةوالحنابله :يشترط الا يطول الجلوس اوالبيع ،فان طال اخرج عنه ،لانه يصير كالمتملك ان طال الجلوس للمعامله، وينفرد بنفع يساويه فيه غيره۔ واضاف المالكية انه لا يجوز الجلوس فى الطريق العام لاستراحة ونحو كالحديث، ويمنع من ذلك ---وصرح الشافعية بجواز الجلوس فى الطريق للاستراحة ،لحديث الامر باعطاء الطريق حقه:من: غض للبصر ، وكف للاذى ، ورد للسلام ، وامر بمعروف ، ونهى عن منكر، مالم يضر المارة، ولم يضيق عليهم، والاكره---

،اور اسی طرح سب کے لئے گزرنے کے علاوہ (راستہ) سے انتفاع کی اجازت ہے، بشرطیکہ گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو جیسے کسی کا دوست (یا رفیق سفر) کے انتظار کے لئے یا سائل کا کھلے اور چوڑے راستہ میں بیٹھنا بشرطیکہ گزرنے والوں کو ضرر نہ ہو، اگرچہ امام نے اس کی اجازت نہ دی ہو، کیونکہ اس پر ہر زمانے اور عصر میں لوگوں کا اتفاق رہا ہے، اس پر بھی فقہاء کے مابین اتفاق ہے، اگر گزرنے والوں کو نقصان پہنچے یا ان پر تنگی ہو تو جائز نہیں، کیونکہ کہ حدیث ہے : ''لا ضرر ولا ضرار'' (نہ تو

Scanned with CamScanner

ضرر برداشت کرنا ہے اور نہ ضرر پہنچانا ہے)۔

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بیع وصنعت وغیرہ کے لئے بیٹھنا جائز ہے، اگرچہ اس کی مدت طویل ہو، اور امام نے اجازت نہ دی ہو، جیسا کہ آباد کرنے کے لئے اس کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ تمام زمانے میں اس پر لوگوں کا اتفاق رہا ہے۔

اور اس جگہ سے ہٹایا نہیں جائے گا جہاں پر وہ پہلے سے معاملہ کے لئے بیٹھ جائے اگرچہ اس میں اس کا ٹھہرنا طویل ہو، اس لئے کہ حدیث ہے: ''من سبق الی ما لم یسبقه الیه مسلم فهو له'' (جو شخص کسی ایسی چیز کی طرف سبقت کرے، جس کی طرف کسی دوسرے مسلم نے سبقت نہ کی ہو تو چیز اس کی ہوگی)۔

اور اس لئے بھی کہ وہ فائدہ اٹھانے والوں میں سے ایک ہے، اور اس کے لئے قبضہ ثابت ہو چکا ہے، تو دوسرے سے زیادہ اس کا حقدار وہ ہوگا۔

مالکیہ اور حنابلہ نے کہا ہے: شرط یہ ہے کہ بیٹھنا یا بیع کا امر طویل نہ ہو، اگر طویل ہو تو (خرید وفروخت کرنے والے کو وہاں سے) اٹھا دیا جائے گا، کیونکہ (زیادہ دیر راستہ میں ٹھہراؤ کی صورت میں وہ) مالک بننے کی طرح ہو جائے گا، (جیسے ہمارے ہاں پتھارے دار عارضی طور پر پتھارا لگاتے ہیں اور پھر اس کے مالکانہ حقوق کا دعوی کرنے لگتے ہیں) اگر معاملہ کے لئے نشست طویل ہو تو وہ اس میں دوسروں کے مساوی نفع اٹھانے کا حقدار ہے۔

مالکیہ نے یہ اضافہ کیا ہے: ''استراحت اور اس کی مثل مثلاً بات کرنے کے لئے عام گزرگاہ میں بیٹھنا جائز نہیں ہے، اور اس سے منع کیا جائے گا۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ راستہ میں استراحت کیلئے بیٹھنا جائز ہے اس حدیث کی وجہ سے جس میں راستہ کا حق دینے کا حکم دیا گیا ہے، راستہ کے بعض حقوق یہ ہیں ''نظر کو نیچی رکھنا، تکلیف نہ پہنچانا، سلام کا جواب دینا، اچھی باتوں کا حکم دینا، منکرات سے منع کرنا، (عام گزرگاہ پر بیٹھنا اس وقت جائز ہوگا) جب گزرنے والوں کو ضرر نہ پہنچے اور نہ ان پر تنگی ہو، ورنہ (راستہ پر بزم آرائی مکروہ ہو گی۔ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ۲۸/ ۳۴۷، امیر حمزہ کتب خانہ کوئٹہ)

جاری ہے۔۔

ضرورت واہمیتِ حفظِ قرآن کریم

محمد اعجاز مصطفی

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

گزشتہ دنوں محترم جناب عبدالرؤف ملک صاحب (لاہور) کی طرف سے ایک خط موصول ہوا، جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ ماہنامہ ''اشراق'' کے جون ۲۰۱۹ء کے شمارہ میں ایک مضمون ''قرآن کریم پر نظر کی ضرورت'' کے عنوان سے چھپا ہے، جو انتہائی دل آزاری کا سبب ہوا، یہ مضمون آپ کی خدمت میں ارسال کیا جارہا ہے، اس پر غور فرمالیں۔ راقم الحروف نے وہ مضمون پڑھا، اس کے متعلق چند گزارشات پیش کرنے کی جسارت کررہا ہے۔

محترم! جمہور علماء اہل سنت وجماعت کے نزدیک اتنا قرآن کریم حفظ کرنا جس سے نماز ادا ہوجائے، ہر مسلمان عاقل بالغ پر فرض ہے اور مکمل قرآن کریم حفظ کرنا فرض کفایہ اور باعث اجر وثواب ہے۔ اگر کوئی بھی مسلمان حافظ قرآن نہ رہے تو تمام عالم کے مسلمان گناہ گار ہوں گے۔ ڈاکٹر عرفان شہزاد صاحب کا پورا مضمون پڑھنے سے ایک عام آدمی بھی یہی تاثر لیتا اور محسوس کرتا ہے کہ یہ مضمون تضادات کا مجموعہ ہے اور اس میں کوئی بات واقعی، حقیقی اور تحقیقی نہیں، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قرآن کریم حفظ کیا، صحابہ کرامؓ کو اس کی ترغیب دی، بلکہ جو شخص ایمان لاتا اول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو قرآن کریم سکھاتے اور پھر وہ قرآن سیکھنے کے بعد اوروں کو سکھاتا اور حفظ کراتا، جس کی بنا پر ہزاروں صحابہؓ قرآن کریم کے حافظ بنے۔ ایک غزوہ میں ستر قاری شہید ہوئے اور جنگ یمامہ میں سات سو قرآن کریم کے حافظ شہید ہوئے، جس پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عرض کیا کہ: ''قرآن کریم کو کتابی صورت میں بھی محفوظ کرائیے، اس طرح حافظ شہید ہوتے رہے

تو کہیں قرآن کریم ہی نہ اٹھ جائے۔'' جس کے بعد قرآن کریم کو حفظ کے ساتھ ساتھ کتابی صورت میں بھی جمع کیا گیا اور کیا جاتا رہا۔ امام قرطبیؒ تفسیر قرطبی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''لاخلاف بین الامۃ ولابین ائمۃ اھل السنۃ: ان القرآن اسم لکلام اللہ تعالی الذی جاء بہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم معجزۃ لہ وانہ محفوظ فی الصدور مقروء بالالسنۃ مکتوب فی المصاحف...... (تفسیر قرطبیؒ ج:۱، ص:۸۰)

''امت اور اہل سنت کے ائمہ کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالی کے اس کلام کا نام ہے جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بطور معجزہ لائے ہیں اور وہ سینوں میں محفوظ ہے، زبانوں سے پڑھا جاتا ہے اور مصاحف میں لکھا ہوا ہے۔''

یہ بات تو صاحب مضمون بھی جانتا اور اس کا اعتراف کرتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ دور الفاظ قرآن اور حفظ قرآن کا تھا یا نہیں تھا؟ پھر اس نے لکھا کہ: ''صحابہ کرامؓ اس لیے قرآن کریم یاد کرتے تھے کہ اس وقت قرآن کریم محفوظ کرنے کا ذریعہ صرف یہی تھا۔'' گویا اس نے اتنا مان لیا کہ صحابہ کرامؓ بھی قرآن کریم یاد کرتے تھے اور یہ حفاظت قرآن کا ذریعہ تھا۔ دنیا جانتی ہے کہ آج بھی حفاظت قرآن کا محفوظ ذریعہ حفظ قرآن ہی ہے۔ اگرچہ اس کی یہ بات بھی محل نظر ہے کہ ''وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، اس لیے قرآن کریم یاد کرتے تھے۔'' کیونکہ صحابہ کرامؓ لکھنا پڑھنا سیکھ چکے تھے، تب ہی تو قرآن کریم کے کاتبین بنے۔

اب اگر قرآن کریم کا یاد کرنا مقاصد میں سے نہیں تھا اور اس پر کوئی اجر وثواب نہیں ملتا تھا تو قرآن کریم لکھنے والے صحابہ کرامؓ تو موجود تھے، پھر یہ حفظ اور یاد کرنے کی بقول اس کے ''صعوبت'' کیوں جھیلتے تھے؟ صاحب مضمون نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ وہ قرآن کریم حفظ کرنے کو ''رسم، بدعت، کشٹ، غیر مقصودی چیز، محض بڑوں کی خوشنودی، جبر اور خوف کا نتیجہ، غیر صحت مندرویے تشکیل دینے کا سبب، حفاظ بچوں میں غیر صحت مندرویوں کے اثرات کا پیدا ہوجانا، ذہنی صلاحیتوں کی نشوونما میں رکاوٹ اور تعلیمی نقطۂ نظر سے بالکل نامناسب'' کہتا ہے، گویا ان کے نزدیک قرآن کریم حفظ کرنا فضول، اس کے الفاظ رٹنا، حماقت، دماغ سوزی اور تضیع اوقات ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ☆ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت قابل مذمت ہے ☆

راقم الحروف سمجھتا ہے کہ یہ باتیں وہ آدمی کرسکتا ہے جو خوف خدا' فکر آخرت' اسلامی معاشرہ اور روح اسلام سے ناواقف ہو یا اسلام سے آزادی کا خواہاں اور اتباع نفس کا مریض ہو' ورنہ ایک سمجھ بوجھ رکھنے والا مسلمان آدمی اس طرح کی باتیں نہیں کرسکتا۔

قرآن کریم کے حفظ کا ثبوت' قرآن کریم' صحیح احادیث اور چودہ صدیوں سے امت مسلمہ کے عملی تواتر سے ثابت ہے۔ سب سے پہلے حفظ قرآن پر دلالت کرنے والی آیات ملاحظہ فرمائیں:

۱: "سنقرئک فلا تنسی" (الاعلیٰ:۶)

"ہم آپ کو پڑھائیں گے' آپ بھول نہیں پائیں گے"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے نزول کے مقاصد میں سے اسے حفظ کرنا اور یاد کرنا بھی ہے۔

۲: "وقال الذین کفروا لولا نزل علیه القرءان جملة واحدة کذلک لنثبت به فؤادک ورتلنه ترتیلا"۔ (الفرقان:۳۲)

"اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اترا اس پر قرآن سارا (اکٹھا) ایک جگہ ہو کر (ایک بار) اسی طرح اتارا' تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔"

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا اس لیے اتارا جاتا تھا' تاکہ آپ اسے آسانی سے یاد کرسکیں۔

۳: ۔"ان علینا جمعه وقرءانه فاذا قرانه فاتبع قرءانه ثم ان علینا بیانه" (القیامة:۱۷'۱۸'۱۹)

"وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع کرنا (کردینا) تیرے سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے' پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے' پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتلانا۔"

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو حفظ کرنا اور اس کو پڑھنا بھی قرآن کریم کے مقاصد میں سے ہے۔

۴: ۔"انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون"۔ (الحجر:۹)

"ہم نے آپ پر اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں"۔

قرآن کریم کی حفاظت سے مراد اس کے الفاظ اور معانی دونوں کی حفاظت ہے۔ کیونکہ اس آیت میں "لحفظون" مطلق لایا گیا ہے' جس سے اصول عربیت کے مطابق حفاظت کا فرد کامل مراد لیا جانا ضروری ہے اور حفاظت کاملہ وہی ہے جو لفظ اور معنی دونوں کو شامل ہو۔ امت میں تاقیامت

ایسے حفاظ قرآن پیدا ہوتے رہیں گے جو اس کے ہر حرف اور معنی کی حفاظت کرتے رہیں گے۔

تفسیر قرطبی میں امام قرطبیؒ نے اسی آیت کے تحت یحیی بن اکثمؒ کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے، خلیفہ مامون الرشید کے دربار میں بڑے بڑے فقہاء، عالم اور ماہرین جمع ہوکر مختلف مسائل پر بحث کیا کرتے تھے۔ایک دفعہ ایسی ہی ایک بحث چل رہی تھی کہ ایک نہایت ہی وجیہ خوبصورت شخص محفل میں شامل ہوا اور اس نے نہایت فصیح وبلیغ زبان اور عالمانہ انداز میں بحث میں حصہ لیا۔اختتام مجلس پر خلیفہ مامون الرشید نے کہا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! خلیفہ مامون نے کہا: تم مسلمان ہوجاؤ تو ہم تمہاری بہت قدرومنزلت کریں گے، اس شخص نے کہا کہ میں اپنے آباء واجداد کا مذہب چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور چلا گیا۔راوی کہتے ہیں کہ ایک سال بعد وہ مسلمان ہوکر مجلس میں شامل ہوا اور فقہی بحث میں بھرپور اور احسن انداز سے حصہ لیا۔جب مجلس برخاست ہوئی تو مامون الرشید نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تم وہی شخص نہیں جو گزشتہ سال بھی یہاں آئے تھے؟ اس نے کہا: جی ہاں! میں وہی شخص ہوں۔خلیفہ نے پوچھا کہ تم نے اسلام کیسے قبول کرلیا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ آپ کے پاس سے جانے کے بعد میں نے چاہا کہ میں مختلف مذاہب پر تحقیق کروں۔آپ کو تو پتہ ہی ہے میرا خط اچھا ہے، اس مقصد کے لیے میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ میں نے نہایت عمدہ خط میں تورات کے تین نسخے لکھے اور اس میں کہیں کہیں کمی زیادتی کردی۔وہ نسخے میں نے کنیسہ میں پیش کیے تو انہوں نے مجھ سے خرید لیے، پھر میں نے بڑی خوش خط کتابت کے ساتھ انجیل کے تین نسخے تیار کیے اور ان میں کمی زیادتی کردی، وہ میں نے عیسائیوں کے سامنے پیش کیے، تو انہوں نے بھی مجھ سے خرید لیے۔پھر میں نے قرآن کو بھی بہت اچھے خط میں تحریر کیا اور جسب معمول تین نسخے تیار کرکے ان میں بھی تحریف کردی، پھر جب میں نے ان نسخوں کو مسلمان کتب فروشوں کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے ان کی تحقیق کی، جب انہیں معلوم ہوا کہ ان نسخوں میں کمی زیادتی ہوئی ہے تو انہوں نے لینے سے انکار کردیا۔پھر یہ شخص کہنے لگا کہ جب میں نے یہ صورت حال دیکھی تو مجھے اس بات پر یقین آ گیا کہ قرآن پاک ہی ایک واحد کتاب ہے جو ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے اور یہی اس کی صداقت کی دلیل ہے۔اس پر میں نے اسلام قبول کرلیا۔

یحیی بن اکثمؒ کہتے ہیں کہ اسی سال میں حج کے لیے گیا تو سفیان بن عیینہؒ سے میری ملاقات ہوگئی، میں نے ان کو یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: یہی مطلب ہے: "بما استحفظوا من کتاب اللہ

☆ گستاخ رسول کو سر کا خطاب قابل مذمت ہے ☆

''یعنی تورات کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے یہودیوں پر ڈالی توانہوں نے اسے ضائع کردیااور قرآن مجید کی حفاظت اللہ تعالی نے اپنے ذمہ لی ہے:''انا نحن نزلناالذکروانا له لحفظون ''(الحجر:۹)......ترجمہ:''ہم نے آپ پر اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں۔''اس لیے قرآن مجیداب تک محفوظ ہے۔''(تفسیر قرطبی،ج:۱۰،ص:۵۔۶)

چونکہ قرآن کریم آخری کتاب ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے،اس لیے اللہ تعالی نے اس کی حفاظت کا ذمہ خودلیااور ایسی حفاظت فرمائی کہ آج تک شرق وغرب میں اس کے لاکھوں حافظ موجودہیں اوروہ تواتر کے ساتھ روئے زمین کے مسلمانوں کی زبانوں پر یکساں محفوظ ہے۔ایک لفظ یازبرزیر کافرق نہیں۔بفرض محال اگرقرآن کریم کے تمام مکتوبی اورمطبوعی نسخے روئے زمین سے معدوم ہوجائیں تب بھی قرآن کریم کاایک جملہ اورایک کلمہ بھی نہ ضائع ہوسکتا ہے اورنہ بدلا جاسکتا ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ:دنیا کی کوئی کتاب ایسی محفوظ نہیں،جیسا کہ یہ قرآن کریم محفوظ ہے،سوائے قرآن کریم کے کوئی کتاب دنیامیں ایسی نہیں جس میں تغیروتبدل اورتصحیف وتحریف واقع نہ ہوئی ہو۔(تفسیر کبیر،ج:۵،ص:۲۶۵)

۵:''بل هو ایت بینت فی صدور الذین اوتو العلم۔''(العنکبوت:۴۹)

''بلکہ یہ قرآن توآیتیں ہیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں جن کوملی ہے سمجھ۔''

علماء کرام نے لکھاہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کے ذرائع صرف دوہی ہوسکتے ہیں:ایک کتابت اوردوسرااسے حفظ کرنا،قرب قیامت میں قرآن کریم کے الفاظ اٹھالیے جائیں گے،لیکن ''حفظ قرآن'' کی صورت میں حفاظت کاذریعہ باقی رہے گااوریہ آخرت بلکہ جنت تک ساتھ جائے گا،اس پرکئی احادیث واردہیں۔

۶:۔''ولقدیسرناالقرءان للذکرفهل من مدکر''(القمر:۱۷)

''اورہم نے آسان کردیاقرآن سمجھنے کو،پھرہے کوئی سوچنے والا؟''

اب چندوہ احادیث نقل کرتے ہیں جوبالکل صحیح سنداورمتن کے اعتبار سے مضبوط ہیں:

۱:۔''الماهر بالقرآن مع السفرة الکرام البررة والذی یقرء القرآن ویتتعتع فیه وهو علیه شاق له اجران''۔(رواہ البخاری،ج:۱،ص۲۶۹)

''رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:جس نے قرآن کریم میں مہارت حاصل کرلی ہو،وہ

معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو سفیر اور نیکوکار ہیں اور جو شخص قرآن کریم اٹکتا ہوا پڑھتا ہے اور اس میں دقت اٹھاتا ہے اس کے لیے دو اجر ہیں۔"

ماہر وہی کہلاتا ہے جس کو یاد بھی خوب ہو اور پڑھتا بھی خوب ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ رسول دو عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

۲:۔"من قرا القرآن استدرج النبوة بين كتفيه الا انه لا يوحى اليه لا ينبغي لصاحب القرآن ان يجد مع من يجد و لا يجهل مع من يجهل و في جوفه كلام الله۔" (رواه البيهقي في شعب الايمان والحاكم في المستدرك، قلت: قال الحاكم في المستدرك على شرط الشيخين، ج:۱، ص:۵۵۲)

ترجمہ: "جس آدمی نے قرآن کریم پڑھا اس نے علوم نبوت (قرآن) کو اپنی پسلیوں کے درمیان (دل میں) لے لیا، گو اس کی طرف وحی نہیں کی جاتی۔ صاحب قرآن کے لیے مناسب نہیں کہ وہ غصہ کرنے والے کے ساتھ غصہ کرے۔ اور نہ یہ مناسب ہے کہ وہ جہالت والے کے ساتھ جہالت سے پیش آئے، جبکہ اس کے پیٹ (دل) میں اللہ تعالی کا کلام موجود ہے۔"

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۳:۔"يجيء القرآن يوم القيامة فيقول: يارب حله فيلبس تاج الكرامة، فيقول: يارب زده، فيلبس حلة الكرامة، ثم يقول: يارب زده، فيحلى حلة الكرامة، ثم يقول: يارب ارض عنه فيرضى عنه، ثم يقال له: اقرأ وارقه ويزاد بكل آية حسنة"۔ (سنن الترمذی، ج:۲، ص:۱۱۹)

"قیامت کے روز قرآن مجید آئے گا اور سفارش کرے گا: اے رب! اس (حافظ) کو پہنائیے، پس (رب تعالی اس کو) کرامت کا تاج پہنائیں گے، پھر کہے گا: اے رب! اس حافظ کے لیے اور زیادہ کرلو (اللہ تعالی) اس کو کرامت کی پوشاک پہنائیں گے، پھر کہے گا: میرے رب! اس سے راضی بھی ہوجائیے، پس کہا جائے گا: پڑھتا جا اور (جنت میں) چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلہ ایک حسنہ (نیکی) کا اضافہ کیا جائے گا۔"

اب جنت میں قرآن کریم تو وہی پڑھ سکے گا جس نے حفظ اور یاد کیا ہوگا، جس نے قرآن کریم پڑھا ہی نہیں ہوگا، جس کو قرآن کریم کا تلفظ بھی صحیح نہیں آتا ہوگا وہ قرآن کریم کیسے پڑھ سکے گا؟

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۴:۔"القرآن افضل من كل شيء فمن وقر القرآن فقد وقر الله و من استخف بالقرآن استخف

بحق اللہ تعالیٰ، حملة القرآن هم المحفوفون برحمة الله المعظمون كلام الله المبلسون نور الله فمن والاهم فقد والى الله ومن عاداهم فقد استخف بحق الله تعالى''۔(الجامع لاحکام القرآن للقرطبیؒ ج:۱،ص:۲۶)

''قرآن ہر شئے سے افضل ہے، جس نے قرآن کی تعظیم کی اس نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی اور جس نے قرآن کی بے قدری (اور توہین) کی اس نے اللہ تعالیٰ کے حق کی ناقدری کی، حاملین قرآن (حفاظ اور علماء) اللہ تعالیٰ کی رحمت کے احاطہ میں ہیں، کلام اللہ کی عظمت اور قدر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نور میں ملبوس ہیں، جنہوں نے ان سے دوستی رکھی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھی، جنہوں نے ان سے دشمنی رکھی بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حق کی ناقدری کی۔''

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

۵:۔''ان الذی لیس فی جوفه شیء من القرآن کالبیت الخرب''۔(مسند احمد، وجامع الترمذی وقال الترمذی حسن صحیح)

''وہ شخص جس (کے دل) میں قرآن مجید کا تھوڑا سا حصہ بھی نہیں وہ ویران گھر کی مانند ہے''۔

دل میں قرآن کریم تو اس شخص کے ہوگا جس نے اس کو حفظ اور یاد کیا ہوگا۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے:

۶:۔''ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یجمع بین الرجلین من قتلی احد فی ثوب واحد، ثم یقول: انهما اکثر اخذاللقرآن، فاذا اشیر الی احدهما قدمه فی اللحد''۔(رواہ البخاری، فضائل القرآن الکریم وحملته فی السنة المطهرة لمحمد موسی نصر، ص:۳۳)

''بے شک نبی ﷺ (جنگ) احد کے مقتولین میں سے دو دو آدمیوں کو (ایک قبر میں) دفن کرنے کے لیے جمع کرتے تھے، پھر فرماتے: ان میں سے قرآن کو زیادہ حاصل کرنے والا کون ہے؟ پس اگر ان میں سے کسی کی طرف اشارہ کیا جاتا تو اس کو لحد (قبر) میں پہلے رکھتے۔''

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ زیادہ سے زیادہ قرآن کریم حفظ کرنے کا جہاں دنیا میں (حفاظت قرآن، اشاعت قرآن، تلاوت قرآن) فائدہ ہے، وہاں آخرت میں بھی اس کا فائدہ اعزاز واکرام اور اجر وثواب کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

Scanned with CamScanner

۷:۔''ان عدددرج الجنة بعددآی القرآن'فمن دخل الجنة ممن قرا القرآن فليس فوقه احد''۔(البیہقی فی شعب الایمان بسند حسن' الجامع الصغیر'ج:۲'ص:۴۵۸)

''بے شک جنت کے درجات قرآن کی آیات کی تعداد کے برابر ہیں'پس حفاظ قرآن میں سے جو جنت میں داخل ہوگا اور پورا قرآن پڑھے گا اس سے اوپر کوئی نہیں ہوگا۔''

ان قرآنی آیات اور احادیث کا مطالعہ پوری طرح واضح کرتا ہے کہ قرآن مجید کے قیامت تک کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہونے کی وجہ سے اللہ تعالی نے اس کو آخری دن تک اصل صورت میں محفوظ رکھنے کا حکم فرمایا۔اللہ تعالی نے اس کے اصل متن کو انسانی تحریف سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کے تحفظ کی ذمہ داری خود لی ہے۔

اب صاحب مضمون کا شق وار جواب تحریر کیا جاتا ہے'صاحب مضمون لکھتے ہیں:

ا:۔''قرآن مجید کے حفظ کی رسم صدیوں سے مسلم سماج میں رائج ہے۔عام تاثر یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذریعہ اور باعث اجر وسعادت ہے۔یہ تصور چند در چند غلط فہمیوں کا مرکب ہے۔''

محترم صاحب!قرآن کریم حفظ کرنا رسم نہیں' بلکہ فرض کفایہ'حضور اکرم ﷺ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کا طریقہ ہے'جو باعث اجر وثواب اور اس کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے اور مسلمانوں کے اس امتیاز اور خصوصیت کو محض تصور کہنا اور اس کو چند در چند غلط فہمیوں کا مرکب کہنا مضمون نگار کی اپچ ہے۔

۲:۔''قرآن مجید کا مقصد اس کے کلام اور پیام کا ابلاغ ہے۔ابلاغ کے لیے کلام کا حفظ ہونا ضروری نہیں۔قرآن مجید کے حفظ کرنے کی ہدایت' بلکہ ذکر تک قرآن مجید میں موجود نہیں۔''

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جب قرآن کریم کا مقصد کلام اور پیام کا ابلاغ ہے تو جب کلام اور پیام محفوظ ہی نہیں ہوگا تو اس کا ابلاغ کیسے ہوگا؟ ورنہ تو یہ ابلاغ صحابہ کرامؓ تک محدود رہے گا'صحابہ کرامؓ کے زمانہ کے بعد سے قیامت تک کے لوگوں کے لیے اس کلام اور پیام کا ابلاغ کیسے ہوگا؟ حضور اکرم ﷺ نے صرف کتابت پر اکتفا کیا تھا یا صحابہ کرامؓ کو حفظ کرنے اور اپنے سینوں میں محفوظ کرنے کا حکم بھی دیا تھا؟ موصوف کا یہ کہنا کہ ابلاغ کے لیے کلام کا حفظ ہونا ضروری نہیں'یہ مضمون نگار کی اپنی رائے ہے جو کہ صحیح نہیں' کیونکہ جب کلام اور پیام کے الفاظ اور معنی ومطلب ہی پیغام دینے والے کو یاد اور معلوم نہیں تو ان کا ابلاغ کیسے ہوگا؟ جب کہ قرآن کریم میں تو ارشاد ہے:

''وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون'' (النحل:۴۴)

''اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے اور تاکہ وہ غور کریں''۔

قرآن کریم ذمہ داری لگا رہا ہے کہ پیغامبر اس کلام اور پیام کو بھی پہنچائے اور الفاظ، معنی ومطلب کو بھی بیان کرے۔ اور مضمون نگار نے خود بھی آگے کہہ دیا ہے کہ صرف الفاظ یاد نہ ہوں، بلکہ اس کا معنی بھی آتا ہو، گویا مضمون نگار مان رہا ہے کہ ابلاغ کے لیے صرف الفاظ ہی نہیں، بلکہ الفاظ اور معنی کا معلوم ہونا مبلغ کے لیے ضروری ہے، فھو المراد۔

۳:۔ قرآن مجید کی ایک آیت سے قرآن کے حفظ کا مفہوم اخذ کیا جاتا ہے: ''ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔'' ہم نے اس قرآن کو یاددہانی کے لیے نہایت موزوں بنا دیا ہے۔ پھر کیا ہے کوئی یاددہانی حاصل کرنے والا؟۔'' (القمر:۱۷) اس آیت سے قرآن مجید کا ایسا حفظ مراد لینا جس میں الفاظ ومعنی کے فہم سے کوئی تعلق نہ ہو سوءِ فہم ہے۔ ''ذکر'' کا لفظ ہی یہ بتانے کے لیے کافی ہے اس مفہوم کو یہاں لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ''ذکر'' کے مفہوم میں تعلیم، تذکیر، آگاہی، تنبیہ نصیحت، موعظت، حصول عبرت اور اتمام حجت جیسے تمام مفاہیم اس میں شامل ہیں۔''

جواب: اس کا جواب اپنی طرف سے لکھنے کی بجائے ساتویں صدی کے مفسر قرآن ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ سے لیتے ہیں کہ انہوں نے اس آیت کے بارہ میں کیا فرمایا ہے، تفسیر قرطبی میں ہے:

''ای سھلناہ للحفظ واعنا علیہ من اراد حفظہ، فھل من طالب لحفظہ فیعان علیہ؟ ویجوز ان یکون المعنی :ولقد ھیاناہ للذکر من یسر ناقتہ للسفر: اذا رحلھا ویسر فرسہ للغزو اذا اسرجہ والجمعہ، قال:

وقمت الیہ باللجام میسرا ھنالک یجزینی الذی کنت اصنع

وقال سعید بن جبیر: لیس من کتب اللہ کتاب یقرا کلہ ظاھرا الا القرآن، وقال غیرہ: ولم یکن ھذا لبنی اسرائیل، ولم یکونوا یقرءون التوراۃ الا نظرا، غیر موسی وھرون ویوشع ابن نون وعزیر صلوات اللہ علیھم، ومن اجل ذلک افتتنوا بعزیز لما کتب لھم التوراۃ عن ظھر قلبہ

حین احرقت علی ماتقدم بیانه فی سورة براءة' فیسر اللہ تعالی علی ھذہ الائمة حفظ کتابه لیذکروا مافیه۔" (تفسیر قرطبی، ج: ۱۷، ص: ۱۳۴)

"یعنی ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے، جو حفظ کا ارادہ کرے ہم اس کا تعاون کریں گے، پس کوئی اس کے حفظ کا طالب ہے کہ اس کا تعاون کیا جائے؟ مشہور تابعی اور مفسر قرآن سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی کتابوں میں قرآن کے علاوہ کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جسے حفظ سے تلاوت کیا گیا ہو۔ اور ایک مفسر کہتے ہیں: حضرت موسی علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور حضرت عزیز علیہ السلام تورات کے حافظ تھے، ان کے علاوہ بنی اسرائیل کے تمام لوگ اسے دیکھ کر پڑھتے تھے۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل تورات جل جانے کے بعد حضرت عزیز علیہ السلام کے محتاج ہوئے تھے تو انہوں نے ان کے لیے اپنی یاد سے تورات لکھ دی تھی، لیکن اللہ تعالی نے اس امت پر قرآن کے حفظ کرنے کو آسان کر دیا، تاکہ قرآن ان کے دل و دماغ میں محفوظ ہو اور ان کے اعضاء پر سلطنت کرے"۔

"قال الحسن: اعطیت ھذہ الائمة الحفظ وکان من قبلھالایقرء ون کتابھم الانظر افاذاطبقوہ لم یحفظو امافیه الاالنبیون... وھم اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم ' والمؤمنون به یحفظونه ویقرء ونه' ووصفھم بالعلم"۔ (تفسیر قرطبی، ج: ۱۳، ص: ۳۵۴)

"حضرت حسنؒ فرماتے ہیں: اس امت کو حفظ عطا کیا گیا ہے اور ان سے پہلے وہ اپنی کتابیں صرف دیکھ کر ہی پڑھا کرتے تھے، جب یاد کرنا چاہتے تو صرف انبیاء ہی حفظ کر سکتے تھے، اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور ایمان والے ہیں جو اسے (قرآن مجید کو) یاد بھی کرتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں اور ان کو علم سے بھی متصف کیا ہے۔"

۴:۔ "ماہ رمضان میں تراویح کی نماز، جو در حقیقت نماز تہجد ہی ہے، میں پورے قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے سماع کا اہتمام مسلمانوں کا اپنا انتخاب ہے۔ اس کا سنت سے کوئی تعلق نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ماہ رمضان میں قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے، نہ کہ نماز تہجد میں۔ نماز تہجد میں قرآن مجید کی تلاوت کا ذکر جہاں قرآن مجید میں آیا ہے تو دیکھا جا سکتا ہے کہ وہاں یہ سہولت دی گئی کہ جتنا ہو سکے اتنا پڑھ لیا جائے۔ "فاقرء وا ماتیسر من القرآن" چنانچہ اب قرآن میں سے جتنا ممکن ہو اس نماز میں پڑھ لیا کرو۔" (المزمل: ۷۳-۲۰)"۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

جواب: موصوف کو رمضان المبارک میں تراویح میں مکمل قرآن کریم سنانے پر بھی اعتراض ہے، اور تراویح کو تراویح ماننے کے لیے بھی تیار نہیں، حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے تین راتیں تراویح کی نماز پڑھائی۔ پہلی رات تہائی رات تک، دوسری رات آدھی رات تک، اور تیسری رات کو اتنی دیر تک پڑھائی کہ صحابہؓ فرماتے ہیں: ہمیں اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں سحری کا وقت نہ ختم ہو جائے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ڈھائی سالہ دور تقریباً جہاد میں گزرا، پھر حضرت عمر فاروقؓ نے جب دیکھا کہ مسجد نبوی میں مختلف ٹولیوں میں صحابہؓ تراویح پڑھ رہے ہیں تو آپ نے صحابہ کرامؓ کے مشورہ اور اجماع سے ایک امام حضرت ابی بن کعبؓ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑے قاری ہونے کا تمغہ عطا فرما چکے تھے کے پیچھے سب کو تراویح پڑھنے کا حکم دیا۔ وہ عشاء کی نماز کے بعد ایک امام کے پیچھے بیس رکعت نماز تراویح باجماعت اور پورے رمضان میں مکمل قرآن کریم کی تلاوت اور تراویح کے بعد وتر باجماعت پڑھاتے تھے۔ تب سے آج تک اہل سنت والجماعت اس پر عمل کرتے آرہے ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''**فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین** رضی اللہ عنہ **تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ۔**'' (مشکوۃ المصابیح، ص: ۳۰، ط: قدیمی)

''میری سنت اور خلفاء راشدینؓ کی سنت کو مضبوطی سے تھامو اور کچلی کے دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ کر رکھو۔''

موصوف صحابہ کرامؓ کے عمل کو محض ''مسلمانوں'' کا انتخاب کہہ کر ایک تو یہ مغالطہ دینا چاہتے ہیں کہ یہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے بہت بعد کے زمانہ کا عمل ہے اور ساتھ ہی اگر کوئی اعتراض کرے کہ کیا صحابہؓ مسلمانوں میں شامل نہیں؟! تو کہہ دیا جائے کہ میں نے صحابہؓ کا انکار تو نہیں کیا۔ ہر عقل مند آدمی سوچ سکتا ہے کہ یہ صحابہ کرامؓ کی بے ادبی اور عام مسلمانوں کو مغالطہ دینے کی کوشش ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ''نماز میں قرآن کریم پڑھنا سب سے افضل ہے۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود رات کا اکثر حصہ نماز اور قرآن کریم پڑھنے میں گزار دیتے تھے، جیسا کہ حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ ایک رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ تک تمام سورتیں ایک رات کی نماز میں تلاوت فرمائیں۔ موصوف ''فاقرء واما تیسر من القرآن'' سے جو استدلال کر رہے ہیں، یہ صحیح نہیں، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے اس

آیت کی تفسیر اپنے عمل سے بتلادی' جیسا کہ اوپر گزرا ہے اور پھر صحابہ کرامؓ نے تراویح میں اسے پڑھ کرامت کے سامنے عملی نمونہ پیش کردیا۔

محترم حفظ قرآن کے بھولنے پر وعیدات قرآن کریم اور احادیث میں موجود ہیں' جو تنبیہا سنائی جاتی ہیں' تاکہ قرآن کریم سے کوئی حافظ' قاری اور عالم غافل نہ ہو' صحیح بخاری و مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ:

''تعاهدوا القرآن فوالذی نفسی بیده لهو اشد تفصیا من الابل فی عقلها۔ متفق علیه۔'' (مشکوۃ:۱۹)

''قران کریم کی حفاظت کرو' قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے' یہ قرآن اونٹ کے اپنی مہار سے نکلنے سے زیادہ تیز ہے۔''

اور بھولنے پر وعید حدیث میں ہے:

''قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: بئس ما لاحدهم ان یقول: نسیت آیۃ کیت و کیت بل نسی واستذکر القرآن فانه اشد تفصیا من صدور الرجال من الفم۔ متفق علیه۔'' (مشکوۃ:۱۹)

''رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: بہت برا ہے وہ شخص جو یہ کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں' ایسا نہیں بلکہ وہ بھلا دیا گیا ہے' قرآن مجید کو یاد کرو' کیونکہ وہ منہ کی بنسبت لوگوں کے سینوں سے زیادہ جلدی نکلنے والا ہے۔''

ان احادیث سے جہاں یہ ثابت ہو رہا ہے کہ قرآن کریم کا محفوظ رہنا بار بار دہرائی اور دور سے ہوتا ہے' وہاں یہ بھی ثابت ہو رہا کہ بھلانے پر وعید بھی ہے' بلکہ فرمایا کہ: کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ بھول گیا' بلکہ بھلا دیا گیا۔

موصوف کے نزدیک ''ان وعیدات کا مقصد قرآن مجید سے تعلق پیدا کر لینے کے بعد اگر وہ اسے بھول جائیں گے تو ان سے سخت مواخذہ ہوگا۔''

جواب: اول تو کوئی پوچھ سکتا ہے کہ اس تعلق سے کیا مراد ہے؟ اس کی درست تشریح کیا ہے؟ اور پھر یہ تعلق والی بات کس قرآن کریم کی آیت یا حدیث سے ثابت ہے؟ اور اردو محاورہ

میں تعلق کا کیا معنی لیا جاتا ہے؟ اور نیز محض تعلق والی بات کہہ کر قرآن کریم کی عظمت اور حیثیت میں کیا کمی نہیں کی جا رہی ؟

۵:۔ ''رسول اللہ ﷺ سے منقول قرآن مجید کے حفظ کرنے کی ترغیب دلانے والی روایات میں سے جو معیار صحت پر پورا اترتی ہیں ان میں بھی اس تصور کا پایا جانا ممکن نہیں کہ آپ نے لوگوں کو بلا سمجھے قرآن مجید کو زبانی یاد کرنے کی تلقین فرمائی ہو۔آپ کے مخاطبین قرآن مجید کی زبان سے واقف تھے' ان کے لیے اسے سمجھے بغیر یاد کر لینا متصور ہی نہیں۔البتہ عرب کی غالب اکثریت لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی' لکھنے پڑھنے کا سامان بھی کم یاب تھا' قرآن مجید ان سب کو لکھ کر دے بھی دیا جاتا تو وہ اسے پڑھ نہیں سکتے تھے' قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ اسے حفظ کر لینے کی یہ ہدایات انھیں اس بنا پر دی گئیں کہ ان کے لیے قرآن مجید سے مراجعت کا یہی طریقہ رہ جاتا تھا کہ وہ اسے زبانی یاد بھی کر لیں۔ یوں اس وقت قرآن مجید کے حفظ کے ذریعے سے بھی اس طریقہ رہ جاتا تھا کہ وہ اسے زبانی یاد بھی کر لیں۔ یوں اس وقت قرآن مجید کے حفظ کے ذریعے سے بھی اس کی حفاظت کا کام لیا گیا' لیکن اس کی وجہ حالات کی یہ مجبوری تھی۔ چنانچہ عرب کے لوگ اپنی عادت کے مطابق قرآن مجید کو یاد کر لیتے تھے' جیسے وہ خطباء اور شعراء کے کلام کو زبانی یاد کر لیتے تھے۔''

جواب: گویا مضمون نگار نے مان لیا کہ حفظ قرآن کی ترغیب دلانے والی روایات (احادیث) موجود ہیں اور صحابہ کرامؓ حفظ بھی کرتے تھے' اگرچہ ان کو حالات کی مجبوری بتایا' جب کہ صحابہ کرامؓ تو قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور اپنے ایمان میں اضافے کا ذریعہ سمجھتے ہوئے خوش ہو کر اس کی تلاوت اور حفظ کیا کرتے تھے' جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

''**واذا ماانزلت سورۃ فمنھم من یقول ایکم زادتہ ھذہ ایمانافاماالذین امنوا فزادتھم ایماناوھم یستبشرون**''۔(التوبہ:۱۲۴)

''اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو بعضے ان میں کہتے ہیں: کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا اس سورت نے ایمان ؟ سو جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کا زیادہ کر دیا اس سورت نے ایمان اور وہ خوش وقت ہوتے ہیں۔''

باقی چونکہ حفظ قرآن تعلیم اسلام کے مراحل میں سے ایک مرحلہ ہے' حفظ کے بعد پھر یہ

جان پہچان کہ یہ قرآن کریم کا کلمہ اسم ہے یا فعل ہے یا حرف ہے، یا پھر ان کی ترکیب کیا ہے؟ پھر اس ترکیب کے ساتھ معنی کیا بنتا ہے؟ پھر عربی الفاظ کی لغات کیا ہیں؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد جمہور امت نے اس کا کیا مطلب لیا ہے؟ یہ تمام مراحل قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہیں تو حفظ کے بعد ان کا مرحلہ آتا ہے اور الحمدللہ! اکثریت حفاظ کی یہ مراحل بھی عبور کر لیتی ہے۔ آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ صرف حفظ کر کے رک جاؤ، بلکہ علمائے کرام تو ترغیب دیتے ہیں کہ حافظ بننے کے ساتھ ساتھ عالم بھی بنو، اگلے مراحل بھی طے کرو۔ ہاں! بعض لوگ حفظ کے بعد معروضی حالات کی بنا پر یا تو یہیں تک رک جاتے ہیں یا دوسری دنیوی راہ اختیار کر لیتے ہیں تو اتنا تو ان میں بھی فضیلت اور شرف موجود ہے کہ وہ قرآن کریم کے الفاظ کے حاملین ہیں، پھر اللہ تعالیٰ آگے ان سے بھی کم از کم اتنا تو کام لے لیتا ہے کہ وہ اس کلام اور پیام کے الفاظ کا ابلاغ اگلی نسلوں تک کر لیتے ہیں۔ تو کیا موصوف ان حفاظ کو اس شرف اور فضیلت سے بھی محروم رکھنا چاہتے ہیں؟!

۶:- ''یہ خیال ایجاد کیا گیا کہ قرآن مجید کا حفظ کرنا معجزہ ہے۔ یہ حقیقتاً درست نہیں۔ قرآن مجید صبح سے لے کر شام تک کا سارا وقت لگا کر اوسطاً تین سے چار سال میں حفظ کیا جاتا ہے۔ اتنا وقت اتنی ضخامت کی کسی بھی کتاب کو زبانی یاد کرنے کے لیے کافی ہے۔''

جواب: مضمون نگار قرآن کریم کے حفظ کو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور قرآن کریم کا اعجاز ماننے کے لیے بھی تیار نہیں، یہ ایک ایسی بدیہی بات کا انکار ہے، جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ جس طرح ایک آدمی دن دہاڑے سورج کا انکار کرے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ اسی طرح اس بات کے انکار کا بھی کوئی علاج نہیں۔ تاریخ میں موجود ہے کہ امام محمدؒ۔ جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ نے ایک ہفتہ میں مکمل قرآن کریم حفظ کر لیا۔ اس کے علاوہ تاریخ میں اور کتنی مثالیں موجود ہیں۔ ہمارے سامنے ایک ایسی مثال بھی موجود ہے کہ گذشتہ سال اقرا روضۃ الاطفال ٹرسٹ لاہور کی تقریب میں ایک پونے چار سال کی بچی کو اسٹیج پر لایا گیا جس نے آٹھ ماہ میں پورا قرآن حفظ کر لیا اور اس نے مختلف جگہوں سے تلاوت کر کے قرآن کریم سنایا۔ یہ قرآن کریم کا اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟ صاحب مضمون سے یہ مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ اور کسی کتاب کے صرف ایک حافظ کو دکھلا دیں، جس نے قرآن کریم جتنا بڑی کتاب کو اتنے مختصر عرصہ میں حفظ کر لیا ہو: ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین''۔

۷:۔''ایک متھ یہ بھی ایجاد کی گئی ہے کہ حافظ قرآن کا ذہن زیادہ تیز ہوتا ہے۔اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ کچھ بچے تو قدرتی طور پر زیادہ ذہین ہوتے ہیں اور اسی بنا پر ان کے والدین انھیں حفظ میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ بچے دیگر میدانوں میں بھی ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔تاہم عام حافظ کا ذہن رٹا لگانے میں ماہر ہو جاتا ہے۔فہم کلام کی مشق اس نے بچپن کے اس دور میں نہیں کی ہوتی جب یہ صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں۔ پاکستان میں چونکہ تعلیمی نظام عمومی طور پر رٹا پر مبنی ہے'اس لیے حفاظ یہاں بھی اچھی کارکردگی دکھا پاتے ہیں' مگر یہ حقیقت میں کوئی خوبی نہیں۔''

جواب: موصوف کی یہ تمام باتیں خود تراشیدہ اور حقائق سے بہت دور ہیں' قرآن کریم پڑھنے ہی کی برکت سے ذہن تیز اور قوی ہوتا ہے۔ پڑھی ہوئی یا سنی ہوئی باتوں کو یاد کر لینے کا ملکہ قوی اور تیز ہو جاتا ہے'اس بنا پر وہ دوسرے میدانوں میں بھی بہت اچھی کارکردگی دکھاتا ہے' یہ ایسے حقائق ہیں جن کا زمانہ شاہد ہے۔موصوف نے تو پورے پاکستان کے تعلیمی نظام پر بھی الزام لگا دیا کہ یہاں تعلیم رٹے پر مبنی ہے' جس کا جواب محکمہ تعلیم کے ذمہ ہے۔راقم الحروف سمجھتا ہے کہ محض اپنی بات بنانے اور پاکستان کے پورے تعلیمی نظام کو مورد الزام ٹھہرانا یہ بہت بڑی جسارت' زیادتی اور بہت بڑا الزام ہے' جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

۸:۔''موجودہ دور میں جب کہ قرآن مجید کو محفوظ رکھنے' پڑھنے اور آیات اور موضوعات تلاش کرنے کے جدید ترین ذرائع وجود میں آ چکے ہیں تو کوئی وجہ نہیں انسان کے قیمتی وقت کو ایک ایسی مشقت میں لگایا جائے جس کا کوئی مطالبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے نہیں کیا اور نہ دین کا کوئی مفاد اب اس سے وابستہ ہے۔''

جواب: موصوف سے کوئی پوچھ سکتا ہے کہ آپ اپنی ذات کے متعلق ان آلات اور ذرائع پر کیا کلی اعتماد کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں کر سکتے تو آپ قرآن کریم جیسی کتاب کو ان ذرائع کا تختہ مشق بنانے پر کیوں مصر اور تلے ہوئے ہیں اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ کفار' قرآن کریم کو مٹانے کے کیا کیا حربے کر چکے ہیں' آج بھی کر رہے ہیں اور آگے چل کر بھی کریں گے۔کہیں موصوف کی یہ تجویز ان کے کام کو آسان کرنے کی معاون اور ممد تو نہیں؟ قرآن کریم کو حفظ کرنا محض مشقت نہیں' بلکہ سعادت' فضیلت اور اعزاز ہے' جس کا مطالبہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور مذکورہ

بالا آیات اور احادیث اس پر کافی شاہد اور دلیل ہیں۔

آخر میں بطور ہمدردی اور خیر خواہی کے عرض کرنا چاہوں گا کہ موصوف اس تحریر سے دین اسلام، قرآن کریم اور مسلمانوں کی تو کوئی خدمت کر نہیں رہے، بلکہ قرآن کریم کی حفاظت، اس کی عظمت، اس کے تقدس واحترام اور مسلمانوں کے قرآنی نظام کو ختم کرنے کے درپے ہیں اور ان کی اس سوچ، فکر اور تدبیر سے کفار کا مقصد، منشا اور ان کی خواہش پورا کرنے کی ایک بھونڈی کوشش ہے، اس کے علاوہ اس تحریر کا کوئی فائدہ نہیں۔

ہم موصوف سے پوچھنا چاہیں گے: کیا آپ اپنی اس تحریر کو آخرت میں اللہ تعالی کے دربار میں لے کر پیش ہو سکتے ہیں؟ اور اس کا جواب دے سکتے ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ایسے لاحاصل کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

الدر الثمین

فی فضل الصلوۃ والسلام علی

النبی الامین

تالیف وترتیب علامہ محمد عبد السلام

ناشر: خانقاہ سلطانیہ ☆ گلشنِ عظیم جہلم

جدید جامعات اور اسلامی اقدار

سید خالد جامعی

جدید سیکولر تعلیم اور سیکولر تعلیمی ادارے کس طرح سوشل انجینئرنگ کے ذریعے ہماری دینی، مذہبی، اخلاقی، معاشرتی، روایتی، تاریخی اقدار تبدیل کرتے ہیں اس سلسلے میں دو اہم تحریریں پیش خدمت ہیں۔ پہلی تحریر ڈاکٹر عارفہ فرید سابق صدر فلسفہ کراچی یونیورسٹی کی ہے اور دوسری تحریر ممتاز صحافی اور فوٹو گرافر ایف ای چودھری کا انٹرویو ہے جو پنجاب یونیورسٹی کے بارے میں لیا گیا تھا۔ یہ دونوں تحریریں ۱۹۵۰ء۔ ۱۹۵۳ء کی کراچی یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی کی دو تصویریں پیش کرتی ہیں اور آج یہ جامعات کس حال میں ہیں؟ وہ بھی دیکھ لیجئے۔

شعوری اور غیر شعوری طور پر ان جدید مخلوط سیکولر تعلیمی اداروں سے ایک نئی تہذیب وثقافت تخلیق ہو رہی ہے جو مغرب کی کامل تقلید کرتی ہے۔ (جامعہ کراچی اور جامعہ پنجاب کے احوال پر گفتگو سے پہلے مناسب محسوس ہوتا ہے کہ اس رول ماڈل تعلیمی ادارے (یعنی علی گڑھ اور اس کے بانی) کا ذکر ذرا تفصیل سے کر دیا جائے جس کی ہماری جدید یونیورسٹیاں پیروی کر رہی ہیں)۔

ہر تعلیمی نظام اپنی مابعد الطبیعات 'ایمانیات' اقدار' روایات' اسالیب لے کر آتا ہے۔ سرسید کے علی گڑھ میں جدید تعلیم آئی تو وہاں Anti god society بنائی گئی۔ یہ جدید تعلیم کا پہلا اثر تھا کہ بہت سے اساتذہ مذہب کو برا بھلا کہتے تھے۔ اس اطلاع پر اساتذہ کے خلاف کارروائی کے لیے ایک مجلس تحقیق قائم ہوئی۔ تفصیل شیخ اکرام کی کتاب میں اور اس کی قدیم اشاعت میں دیکھئے جہاں علی گڑھ کا احوال لکھا گیا ہے۔ پروفیسروں نے نوکری بچانے کے لیے معذرت بھی کی اور کہا کہ وہ مسلمان ہیں اور خدا کو مانتے ہیں۔

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے

سرسید جانتے تھے کہ جدید تعلیم لوگوں کو مذہب سے بیزار کرتی ہے

سرسید جانتے تھے کہ سیکولر تعلیم عیسائیت کی تعلیم سے زیادہ خطرناک ہے اور انہیں معلوم تھا کہ جدید انگریزی تعلیم لوگوں کو مذہب سے بیزار کر دیتی ہے۔ یہ سرسید کی بصیرت تھی کہ انہیں آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے اس امر کا اندازہ تھا کہ جدید سیکولر تعلیم اقداری (Value Loaded) ہے۔ یہ آئے گی تو مذہب، روایت اور اسلامی اقدار پر حملہ کرے گی۔ افسوس کہ عہد حاضر کے دینی مفکرین کو جدید تعلیم کے اثرات کے بارے میں سرسید اور اکبر الہ آبادی جیسی بصیرت حاصل نہیں حالانکہ سرسید نے جو کہا تھا اور اکبر الہ آبادی نے اپنی شاعری کے ذریعے اس جدید تعلیم کا، معاشرے، ماحول، خاندان، اولاد، اخلاقی اقدار، روایات پر جو اثر دکھایا تھا وہ آج سورج کی طرح روشن ہے مگر اس کے باوجود سب جدید تعلیم کے کوہ ندا کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں۔

حالی 'حیات جاوید' میں لکھتے ہیں کہ سرسید کو مسلمانوں میں انگریزی تعلیم پھیلانی پڑی جس سے مفر ممکن نہ تھا کیونکہ اس کے بغیر مسلمانوں کا ابھرنا محال تھا یہاں تک کہ سرسید کو خود ان میں انگریزی تعلیم پھیلانی پڑی حالاں کہ انگریزی تعلیم کے نتائج اسلام کے حق میں مشنریوں (عیسائیوں) کی پریچنگ (تبلیغ) سے بہت زیادہ اندیشہ ناک تھے۔ (حالی، حیات جاوید، جلد دوم ص ۱۳۴ الحجرہ پبلشرز لاہور ۱۹۸۴ء)

حالی لکھتے ہیں کہ سرسید نے جب یہ دیکھا کہ انگریزی تعلیم سے کسی طرح مسلمانوں کو مفر نہیں تو اپنی عمر کا ایک تہائی حصہ اسلام کو انگریزی تعلیم کے مضر نتائج سے بچانے میں صرف کیا (ص ۱۳۴ محولہ بالا)

سرسید کا علم الکلام اسلام کا دفاع کرنے میں ناکام رہا

حالی کا دعوی ہے کہ سرسید نے مسلمانوں کو مذہبی سیکولر تعلیم کے برے اثرات سے بچانے کے لیے کام کیا۔ یہ اثرات عیسائیت کی تعلیمات سے زیادہ مہلک تھے۔ اپنی عمر کے ایک تہائی عرصے میں سرسید نے تفسیر قرآن لکھی اور جدید علم الکلام تخلیق کیا لیکن ان کی تفسیر اور علم کلام کو ان کے عہد میں ان کے قریب ترین رفقاء اور علی گڑھ نے خود ہی مسترد کر دیا کیوں کہ علم کلام ہمیشہ مد مقابل تہذیب، تمدن، علمیت کے پیدا کردہ سوالات، اشکالات، شبہات کا جواب دیتا اور ان کا ازالہ و امالہ کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ سرسید کے علم کلام نے مغرب کی سیکولر تعلیم کے نتیجے میں پیدا ہونے

Scanned with CamScanner

والے سوالات، مستشرقین کے اعتراضات، شبہات کا جواب دینے کے بجائے ان اعتراضات کو ہی درست سمجھ لیا اور قبول کرلیا اور کہا کہ یہ اعتراضات مولوی کے اسلام پر وارد ہوتے ہیں، وہ غلط اسلام ہے۔ اصل اسلام ہمارے پاس ہے، اس پر کوئی اعتراض عائد نہیں ہوتا۔

ڈپٹی نذیر احمد نے سرسید کی غلط سلط تفسیر کے لیے دہلوی زبان میں گالیاں تخلیق کیں، حالی، شبلی، محسن الملک نے شدید اعتراضات کیے۔ محمد حسن عسکری کا خیال تھا کہ ڈپٹی نذیر احمد کا ناول ''ابن الوقت'' سرسید پر لکھا گیا تھا۔ سرسید کے علم کلام کی تاریخ کے لیے دیکھیے:

۱۔ عزیز احمد: برصغیر میں اسلامی جدیدیت

۲۔ سی ڈبلیو ٹرول: ترجمہ اکرام چغتائی سرسید احمد خان، فکر اسلامی کی تعبیر نو

۳۔ الطاف حسین حالی: حیات جاوید (دو جلدیں)

۴۔ حسن عسکری: سرسید اور حالی کا نظریہ فطرت

علی گڑھ نے تعلیم یافتہ، ترقی یافتہ نسل پیدا کی، ہدایت یافتہ نہیں

تعلیم یافتہ جسٹس سید محمود نے سرسید کو گھر سے باہر نکال دیا

سرسید کی شخصیت اور ان کی درآمد کردہ جدید مغربی سیکولر تعلیم کے جو اثرات ہوئے وہ یہ کہ علی گڑھ نے ترقی یافتہ، تعلیم یافتہ نسل تو پیدا کر دی، ہدایت یافتہ نسل پیدا نہیں کی۔ علی گڑھ کا مقصد بھی صرف ترقی تھا ہدایت نہیں تھا کیوں کہ ہدایت یافتہ نسل ہی ہمیشہ ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہوتی ہے کیوں کہ دین ہی ترقی کے راستے کو یعنی دنیا کے آسان ترین حصول کو لذتوں اور مسرتوں کو حلال حرام، صحیح غلط، مکروہ و مستحب، گناہ ثواب کے ذریعے مشکل تر بناتا ہے۔ لہٰذا اس ترقی یافتہ نسل کے تیار کردہ جسٹس سید محمود نے، جو سرسید کے بیٹے اور ہائی کورٹ کے جج تھے، اپنے باپ سرسید کو مرنے سے تین ماہ قبل گھر سے باہر نکال دیا تھا۔ یہ وہ بیٹا تھا جس سے سرسید ٹوٹ کر محبت کرتے تھے اور جس کی برطانیہ میں تعلیم کے لیے سرسید نے ہزاروں روپے خرچ کیے تھے۔ اسے علی گڑھ کا سیکرٹری بنانے کے لیے انھوں نے اپنے ایک قریبی دوست کو پنجہ آزمائی اور ڈوئل کا چیلنج دیا تھا۔ گھر سرسید نے اپنے پیسے سے بنا کر بیٹے کے نام کر دیا تھا۔ اس احسان کا صلہ تو ملنا تھا جو سرسید کو مل گیا۔

Scanned with CamScanner

ڈپٹی نذیر احمد، سرسید کی میز پر جوتے رکھ کر پیر پھیلائے بیٹھے تھے۔ نذیر احمد کہتے تھے اس طرح بیٹھنا، سرسید کی سیکولر تعلیم کا اثر ہے۔

آخر وہ کیا تعلیم تھی کہ سرسید کے بیٹے نے باپ کو اس کے بنائے ہوئے گھر سے محروم کر دیا؟ اس تعلیم کے بارے میں ایک عجیب واقعہ پڑھیے۔ ڈپٹی نذیر احمد ایک مرتبہ اپنے نواسوں سے ملنے علی گڑھ آئے تو نواسوں کو سرسید کے کمرے میں بلایا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا نانا جان اپنے جوتوں سمیت پیر سرسید کی میز پر ان کے منہ کی طرف کیے بیٹھے ہیں۔ یہ واقعہ شاہد احمد دہلوی نے نذیر احمد کے خاکے میں لکھا ہے۔ شاہد احمد، نذیر احمد کے پوتے تھے۔ ان کی شہادت کے مطابق اس شرمناک واقعے کے راوی نذیر احمد کے نواسے ڈاکٹر اشرف الحق ہیں۔ نواسوں نے سرسید کے سامنے اپنے نانا کو اس حالت میں دیکھ کر کان میں کہا: نانا یہ کیا کر رہے ہیں؟ پیر نیچے کیجئے۔ انھوں نے زور سے قہقہہ لگایا اور بولے یہ سب کچھ ان بڑے میاں کی تعلیم کا اثر ہے۔ (شاہد احمد دہلوی، گنجینہ گوہر، کراچی، مکتبہ اسلوب ۱۹۸۶ء ص ۱۶)۔ یہ خاکہ شاہد احمد کی کتاب ''گنجینہ گوہر'' میں شامل ہے۔ واقعی جدید سیکولر تعلیم لینے والا بچہ اپنے استاد کی کوئی عزت نہیں کرتا لیکن دینی مدرسے میں پڑھنے والا بچہ اپنے استاد کی عزت کرتا ہے، ان کے جوتے اٹھاتا ہے، ان کے آگے نہیں چلتا اور ان کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔

تو دو نظام تعلیم دو مختلف قسم کے انسان پیدا کر رہے ہیں۔ ایک سیکولر نظام تعلیم ہے جو تعلیم یافتہ، ترقی یافتہ انسان پیدا کر رہا ہے۔ ایک قدیم نظام تعلیم ہے جو علم یافتہ اور ہدایت یافتہ انسان پیدا کر رہا ہے۔ ہمیں صرف ترقی یافتہ اور جدید تعلیم یافتہ انسان کی ضرورت ہے لیکن بھارت اور چین میں اس ترقی یافتہ انسان نے مغرب کی طرح اپنے بوڑھے ماں باپ کو گھر سے نکال کر پھینک دیا ہے۔ یہاں ہر مذہبی شخص اور مذہبی تحریک یہ سوال اٹھائے گی کہ اگر سیکولر تعلیم نہ ہو تو کیا ہو؟ یہ سوال اپنی تاریخ، تہذیب، تصور علم اور مقصد زندگی سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ سوال اٹھانا سب سے آسان کام ہے۔ اپنی تاریخ کا انکار کرنا اور مغرب کی تاریخ کی تقلید اس سے بھی آسان کام ہے۔ اصل کام اور مشکل کام اپنی تاریخ، اپنے مقصد زندگی اور اپنے عقیدے سے واقفیت ہے۔ پہلے وہ واقفیت حاصل کریں پھر اپنے سوالات پیش کریں تو ہم ان کا جواب دیں گے۔

سید محمود کے ظلم سے بچانے کے لیے راس مسعود کو انگریز پرنسپل نے پال لیا۔

انگریزی تعلیم یافتہ لندن پلٹ سید محمود نے سرسید کو گھر سے کیوں نکالا؟

عمران خان نے ۶ ستمبر ۲۰۱۸ء کو اعلان کیا کہ نجی، سرکاری اور دینی مدارس کا نظام تعلیم ایک ہوگا (جنگ، ڈان اور تمام اخبارات ۷ ستمبر ۲۰۱۸ء) رضا ربانی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ تعلیمی نصاب ونظام وفاق کا دائرہ نہیں، صوبوں کا دائرہ ہے۔ عمران خان صرف اسلام آباد میں اس قانون کا نفاذ کریں۔ (روزنامہ ڈان مورخہ ۸ ستمبر ۲۰۱۸ء)۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب دینی مدرسے کا طالب علم بھی استاد کی عزت نہیں کرے گا کیوں کہ وہ تعلیم یافتہ ترقی یافتہ ہوجائے گا۔ وہ بھی اپنے باپ کو سرسید کی طرح اپنے گھر سے نکالے گا۔ سرسید کے بیٹے بہت قابل تھے۔ سرسید نے ہزاروں روپے ادھار لے کر انہیں برطانیہ میں تعلیم دلائی لیکن انگریزوں نے کالا انگریز ہونے کی وجہ سے ان کی بہت بے عزتی کی لہٰذا وہ ذہنی ونفسیاتی مریض بن گئے تھے۔ اس کی تفصیلات کے لیے دو کتابیں پڑھیے:

1۔ shashi Throor; an era of darkness

۲۔ حرف شوق: مختار مسعود

سرسید کا جھوٹا دعویٰ کہ ہندوستانی جاہل غیر مہذب اور غریب ہیں

سید محمود کے مراق کا عالم یہ تھا کہ رات تین بجے اپنے بیٹے راس مسعود کو جگا دیتے، ٹھنڈے پانی سے نہلاتے، کچا قیمہ کھلاتے، بیلچے پھاوڑے سے زمین کھدواتے، ماں چیختی رہتی کہ میرا بیٹا مرجائے گا۔ آخر کار علی گڑھ کے پرنسپل مارسین اور اس کی بیوی نے راس مسعود کو پال لیا۔ یہ اس شخص کے گھر کی کہانی ہے جو ہندوستان کے مسلمان اور ہندوؤں کو جاہل، غریب، غیر متمدن، غیر مہذب سمجھتا تھا حالانکہ ہندوستان ایک امیر ترین، علم سے مالا مال مہذب ترین ملک تھا۔ سرسید نے انگریزوں کے تسلط کے لیے یہ جھوٹ تخلیق کیا اور آج بھی یہ جھوٹ ہر جگہ دہرایا جارہا ہے۔ ہندیوں کو مہذب اور امیر بنانے کے لیے جب انگریزوں کی تعلیم، تہذیب، دولت، امارت آئی تو سرسید گھر سے باہر نکالے گئے، ان کی تدفین کے لیے چندہ جمع کیا گیا، سرسید جو مغربی تعلیم لائے تھے اس نے پوری دنیا میں معصوم بچوں کو گھروں سے نکال کر BABY SITTERS,DAY CARE CENTRES کے حوالے کیا اور ان معصوم بچوں نے جوانی میں ماں باپ کو گھروں سے نکال کر O L D

HOME میں داخل کر دیا۔ یہی تہذیب مغرب ہے۔ مغرب میں آباد مذہبی مسلمان بھی جوان ہونے کے بعد اپنے بوڑھے ماں باپ کے ساتھ گھر میں رہنا پسند نہیں کرتے کیوں کہ وہ ان کی آزادی میں مداخلت کرتے ہیں لہذا ہم ایسے کئی مذہبی گھرانوں کو جانتے ہیں کہ بوڑھے ماں باپ لندن امریکہ میں رہتے ہیں اور مذہبی اولاد سعودی عرب میں رہتی ہے۔ دلیل یہ ہوتی ہے کہ یہ مذہبی ملک ہے' عمرہ وحج کی سہولت ہے۔ اصل مقصد ماں باپ کی خدمت' صحبت سے بچنا ہے۔ یہ سب جدید تعلیم' آزادی 'ترقی اور معیار زندگی میں اضافے کے عقیدوں کا اثر ہے۔ یہ عقیدے ہندوستان میں سرسید اور چراغ علی لائے تھے۔ سرسید کی تعلیمات اور حیات وافکار جاننے کے لیے درج ذیل کتابیں پڑھیے:

۱۔ ضیاء الدین لاہوری: حیات سرسید ۲۔ ضیاء الدین لاہوری: افکار سرسید

۳۔ ضیاء الدین لاہوری: نقش سرسید

ان عقیدوں کے سب سے بڑے ناقد اکبرالہ آبادی اور علامہ اقبال ہیں۔ اکبر کے کلام کو تمام اسکولوں اور کالجوں میں داخل کرنا چاہیے۔ علامہ اقبال اکبر کو اپنا پیرو مرشد لکھتے تھے اقبال کے خطوط پڑھ لیجئے۔

سرسید کی جدید سیکولر تعلیم کا نشانہ خود سرسید بنے اور گھر سے نکالے گئے

چین اور بھارت نے ترقی کی تو Parents protection act بنے۔

سرسید مغرب کی جو تعلیم لائے تھے اور جس کے بداثرات سے وہ مسلمانوں کو اپنے علم کلام کے ذریعے بچانا چاہتے تھے اس تعلیم کا پہلا نشانہ اور پہلا ہدف سرسید خود بنے۔ جب سرسید کی یہ مغربی 'مادی' افادی' تجربی' معاشی خوش حالی کی تعلیم سرسید کے سو سال بعد بھارت اور چین میں جڑ پکڑ گئی تو چین اور بھارت میں جدید تعلیم یافتہ' ترقی یافتہ نسل نے اپنے ماں باپ کے ساتھ وہی سلوک شروع کر دیا جو سلوک سرسید کے بیٹے جسٹس محمود نے کیا تھا۔ سرسید اپنے بنائے ہوئے گھر سے بیٹے کے ہاتھوں ذلیل ورسوا کر کے نکالے گئے لہذا چین اور بھارت میں اولاد کے ظلم وستم سے ماں باپ کو بچانے کے لیے PARENTS PROTECTION ACT بنائے گئے اور ماں باپ کی خدمت اولاد پر فرض کر دی گئی۔ بھارت اور چین کی ہزاروں سالہ پرانی تہذیب تیس سال میں مغربی ترقی نے ختم کر دی۔ دونوں تہذیبوں میں ماں باپ کی بے پناہ عزت تھی۔ چین میں ۱۹۷۹ء تک مرنے

والے ماں باپ کی مورتیاں بنا کر اولاد ان کی پوجا کرتی تھی جو ماں باپ کل تک پوجنے کے لائق تھے آج کوڑے کے ڈھیر پر پھینکنے کے لائق ہو گئے۔ یہ تبدیلی کیسے آئی؟ اسے کون لایا؟ بھارت اور چین میں ریاست نے کہا کہ تمہارے ماں باپ کو کھلانے پلانے کی ذمہ داری حکومت نہیں اٹھائے گی تم یہ بوجھ خود اٹھاؤ۔ جدید مغربی تعلیم نے آپ کی اقدار، روایات سب کچھ بدل دیا۔ آپ کی تہذیب، اقدار، تمدن، اطوار طریقے بدل دیے اس کے باوجود سب کہہ رہے ہیں کہ جدید تعلیم غیر اقداری (Value Neutral) ہوتی ہے۔ یہ بے رنگ ہے۔ اس کے پانی میں جو رنگ ڈالا جائے اس رنگ کا ہو جائے گا۔ اس پانی کی کوئی شکل نہیں، جس برتن میں ڈالو اس کی شکل اختیار لے گا لیکن بھارت، چین، مغرب اور پاکستان میں بھی یہ غیر اقداری تعلیم ہماری اقدار مسلسل بدل رہی ہے۔ اس کے باوجود ہم کوئی دوسرا راستہ تلاش کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔

پوری امت مسلمہ جدید سیکولر تعلیم کے حصول کے لیے مر رہی ہے

پوری امت اسی تعلیم پر مر رہی ہے۔ علماء اس تعلیم کے حصول کو دینی قوت کے احیاء کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں۔ تمام دلائل اس کے حق میں ہیں۔ کوئی اس کی تنقید کرنے، لکھنے، سننے، متبادل جاننے پر آمادہ نہیں۔ سب جدید تعلیم پر ایمان لا چکے ہیں اور اس ڈسکورس کو الحق سمجھ چکے ہیں۔ ان حالات میں تبدیلی کا عمل کیسے ممکن ہے؟ اگر مغرب کی تعلیم الحق ہے تو اس کی پیدا کردہ تہذیب، اس کی پیدا کردہ اخلاقیات، اقدار، روایات، ماں باپ کو گھر سے نکالا جانا، دنیا پرستی، سب کو الحق تسلیم کر لیا جائے۔ جب تک ہمارا ایمان، عقیدہ درست نہیں ہوگا متبادل کی بحث بے معنی ہے جب عقیدہ بدلتا ہے تو پوری زندگی کا نقشہ اور ادارے بھی بدل جاتے ہیں۔ ہم متبادل بھی بتائیں گے پہلے اپنے ایمان کو ٹھیک کیجیے۔ پیغمبر علیہ السلام جب بھی تشریف لاتے ہیں تو حاضر و موجود نظام زندگی کا متبادل نقشہ نہیں کرتے وہ صرف عقیدہ پیش کرتے ہیں: عقیدہ توحید، رسالت و آخرت اور حاضر و موجود سارے نظام کو تلپٹ کر دیتے ہیں۔ عقیدہ پر ایمان لانے والوں سے وہ کہتے ہیں کہ سود حرام ہے تو لوگ سود چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شراب حرام ہے تو صحابہؓ شراب چھوڑ دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ شراب کے برتن بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر توڑ دیتے ہیں جن میں شراب پی جاتی تھی کہ ان کو دیکھ کر شراب یاد نہ آئے۔ کوئی رسالت م آب ﷺ سے یہ نہیں پوچھتا کہ شراب کا متبادل مشروب کیا ہے؟ اور شراب کے

کاروبار کا متبادل کاروبار کیا ہے؟ یہ صرف بدعقیدہ انسان ہی پوچھ سکتا ہے۔عصر حاضر میں کسی مذہبی آدمی کوعقیدے کا دین کا بتایئے تواس کا پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ متبادل بتاؤ۔سود چھوڑوں تواس کا متبادل کیا ہے؟ گویا اگر اسے متبادل نہیں بتایا جائے گا تووہ گنا کی دلدل میں دھنستا چلا جائے گا جس کی ذمہ داری اس پر نہیں ہوگی!

رسالت مآب ﷺ سے کسی ایک صحابی نے شراب وسود کا متبادل نہیں پوچھا تھا اجتہاد دینی مآخذ کی بنیاد پر ہوتا ہے نہ کہ دینی مآخذ میں۔

صحابہ کرامؓ نے کبھی رسالت مآب ﷺ سے متبادل کا سوال نہیں کیا۔وہ جو عقیدہ، جو شریعت، جو حکم صحابہ کو بتاتے گئے صحابہ اسے تسلیم کرتے گئے اس لیے کہ ان کا ایمان تھا کہ ہمیں صرف اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، آخرت کو ہر حال میں دنیا پر ترجیح حاصل ہے، دنیا اور اس کی ہر شے کو پرکھنے کا پیمانہ عقل، وجدان، شعور، مفادات، راحت، لذت، مسرت نہیں، آخرت اور شریعت ہے۔ہمارے تو پیمانے ہی بدل چکے ہیں۔ہم دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں لہٰذا دین کی خاطر کوئی نقصان برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔

اسلام میں زنا کا متبادل نکاح ہے لیکن اگر کوئی نکاح پر قادر نہ ہو تواس کا متبادل روزہ، تزکیہ نفس، صبر، عزیمت، انتظار اور اللہ کے فضل کی امید ہے۔عصر حاضر میں ہم اس طرح کے متبادلات تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔متبادل کا مطلب ہے ہمارے مادی فوائد، نفسانی خواہشات فوراً کسی بھی طریقے، حیلے، بہانے سے اسی طرح پورے ہوں جس طرح غیر اسلامی طریقے سے پورے ہو رہے تھے خواہ اس کے لیے ہمیں اسلامی اصولوں سے انحراف کرنا پڑے۔دین کی ایسی تعبیر پیش کی جائے جو ہر زمانے کا ساتھ دے سکے۔علماء کی تقلید بے فائدہ ہے، سب کو اجتہاد کرنا چاہیے۔بے چارے یہ بھی نہیں جانتے کہ اجتہاد کے لیے ایمان اور علم کی ضرورت ہے اور تقلید کے لیے صرف ایمان کی۔اجتہاد کا مقصد ہر عہد میں قرآن وسنت کی تقلید کو ممکن بنانا ہے۔اجتہاد مآخذ دین کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔یہاں اجتہاد مآخذ دین میں کیا جا رہا ہے اور اجتہاد وہ کر رہے ہیں جو نہ عربی جانتے ہیں، نہ علم رکھتے ہیں اور نہ جن کا کوئی کردار ہے۔جاوید غامدی اس کی نمایاں مثال ہیں۔ان کی تحریفات پر ہم نے سوشل میڈیا میں بہت کچھ لکھا ہے۔

(جاری ہے)

☆صریح وہ لفظ ہے جس کی مراد ظاہر ہوتی ہے جس طرح ''بعت اور اشتریت'' وغیرہ ☆

Scanned with CamScanner

Majalla **FIQAH-E-ISLAMI** Karachi.

Regd. No. SC (MC) 1148

Scanned with CamScanner